دورِ حاضر کے فتنے

اور اُن کا علاج

از قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ



جمع و ترتیب: مولانا محمد انور بدخشانی

مکتبہ بینات

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

دورِ حاضر کے فتنے
اور اُن کا عِلاج

ازقلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ

جمع وترتیب: مولانا محمد انور بدخشانی

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

کتاب کا نام: .... دَورِ حاضر کے فتنے اور اُن کا علاج

از قلم: .... محدّث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ

جمع و ترتیب: .... مولانا محمد انور بدخشانی

ناشر: .... مکتبہ بینات جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

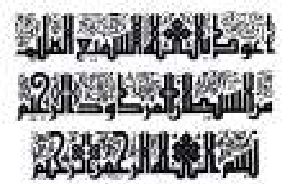
صفحات: ۱۴۰

سنِ اشاعت: ۱۴۴۱ھ/2020ء

مکتبہ بینات
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

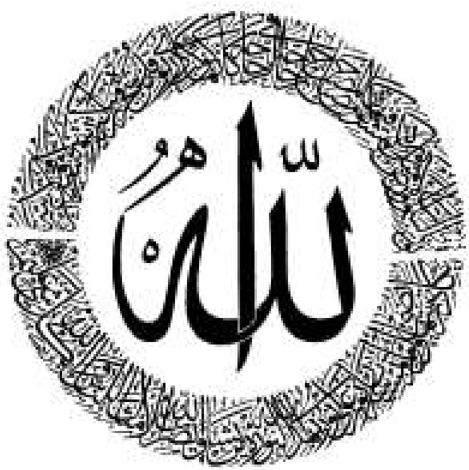
فون نمبر: 021-34927233 | Ext: 146 - 147

Web: www.banuri.edu.pk Email: bayyinat@banuri.edu.pk





سورة الإخلاص


اللّٰهُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علىٰ سيد المرسلين وعلىٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعين، أما بعد:

''عن أسامة بن زيد رضي الله عنه قال: أشرف النبي صلى الله عليه وسلم على أطم من أطام المدينة، فقال: هل ترون ما أرى؟ قالوا: لا، قال: فإني لأرى الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع المطر.'' (۱)

ترجمہ: ''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے بلند مکانات میں سے ایک بلند مکان کی چھت پر چڑھے اور فرمایا: کیا تم اس چیز کو دیکھ رہے ہو جس کو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ میں ان فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں میں بارش کی طرح برس رہے ہیں۔''

اس حدیث مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتِ مسلمہ پر آنے والے فتنوں کی پیشگی اطلاع فرمائی ہے اور مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ قیامت تک آنے والے فتنوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کرتے رہیں، فتنہ کیا ہے؟ عربی لغت کے اعتبار سے ہر آزمائش اور پرکھ فتنہ کہلاتا ہے، اسی طرح جو بھی چیز انسانی عقل اور عزائم کے لیے آزمائش کا سبب بنے اور اسے راہِ حق و

۱:.... مشکوٰۃ، ص: ۴۶۲، ط: قدیمی

جادۂ مستقیم پر قائم نہ رہنے دے وہ فتنہ کہلاتی ہے، خواہ وہ گمراہ کن نظریات کی صورت میں ہو یا باطل افکار اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی شکل میں، یہ سب فتنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیانات ومواعظ میں اس قسم کے فتنوں کے تسلسل اور کثرت کے ساتھ واقع ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ جو دل ان فتنوں کو قبول کریں گے وہ سیاہ ہوجائیں گے اور اوندھے برتن کی مانند ایمان ومعرفت کے نور سے خالی ہوجائیں گے، جو دل ان فتنوں کو قبول نہیں کریں گے وہ صاف ستھرے سفید پتھر کی مانند ہوجائیں گے، جن پر فتنوں کا اثر نہیں ہوسکے گا۔

والد ماجد محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ کا انہی فتن، ان کے منفی اثرات اور ان سے بچاؤ کی تدابیر سے متعلق مختلف مضامین کا یہ مجموعہ آج سے تقریباً سات سال قبل شائع ہوا۔ یہ مضامین بنیادی طور پر جامعہ علوم اسلامیہ سے شائع ہونے والے جریدے ماہنامہ ''بینات'' کے لیے ملکی وملّی حالات کی مناسبت سے مختلف موقعوں پر لکھے گئے تھے، جن کی تازگی اور نکھار آج بھی جوں کا توں برقرار ہے اور ہر مسلمان کو فکر وعمل کی دعوت دے رہے ہیں۔ استاذ محترم حضرت ڈاکٹر مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ نے حضرت والد ماجدؒ کی وفات کے بعد ان کے بینات کے اداریہ کے لیے لکھے ہوئے تمام مضامین کو ''بصائر وعبر'' کے عنوان سے دو ضخیم جلدوں میں جمع کرکے شائع کیا، بعد میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہٗ نے ''بصائر وعبر'' میں فتنوں سے متعلق ان تمام مضامین کو یکجا کرکے ''دورِ حاضر کے فتنے اور اُن کا علاج'' کے نام سے طبع کرایا، جسے ملک وبیرون ملک ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اب یہ مجموعہ ''مکتبہ بینات'' شائع کررہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور ہمیں حضرت والد ماجدؒ کے لگائے ہوئے گلشن کی کماحقہ خدمت کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

سید سلیمان یوسف بنوری

نائب رئیس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

عرضِ مرتب

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد :

قال اللہ تعالیٰ :

” واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة.“[۱]

ترجمہ: ”اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر۔“

ہم آج کل جن فتنوں میں گھرے ہوئے ہیں ہر ذی شعور اور اور صاحب بصیرت ان فتنوں سے نجات کی فکر میں ہے اور چھٹکارے کے لیے راہ بھی ڈھونڈتا ہے، لیکن ایک فتنے سے نجات نہیں ملتی کہ دوسرا اور تیسرا فتنہ سر پر آن کھڑا ہوتا ہے اور گویا ” ظلمات بعضها فوق بعض“ کا مصداق بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے نشاندہی کی ہے کہ دراصل فتنوں کی جڑ تمہارے گھروں میں ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

”واعلموا أنما أموالكم وأولادكم فتنة.“[۲]

ترجمہ: ”اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔“

۱:.... الانفال:۲۵

۲:.... الانفال:۲۸

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آدمی کے پاس مال اور اولاد نہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مال جائز طریقے سے کمائے اور پھر جائز مصرف میں خرچ کرے۔ اگر مال کو حرام طریقہ سے کمایا، یا حلال طریقہ سے تو کمایا، لیکن خرچ ناجائز طریقے سے کیا تو یہ مال کا فتنہ ہے۔ اسی طرح اگر مال نہ ہو تو صبر و قناعت نہیں ہوتا اور کبھی کبھار یہی مال کی کمی انسان کو کفر کی سرحد پر لا کھڑا کر دیتی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

”کاد الفقر أن یکون کفرا۔“(۱)

ترجمہ: ”بسا اوقات فقر و تنگدستی سے کفر کا اندیشہ ہوتا ہے۔“

نیز اولاد کی صحیح تربیت کرے، تا کہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اس کے لیے آزمائش و پریشانی کا ذریعہ نہ بنے۔ اگر اولاد کی صحیح تربیت نہ کی اور اولاد اس کی موت کے بعد گناہوں اور برائیوں میں مبتلا ہو گئی تو یہی اولاد صدقۂ جاریہ بننے کے بجائے اس کے لیے فتنہ کا باعث بنے گی اور قیامت کے دن اس شخص سے ان کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

آج کل فتنے تو اَن گنت ہیں، لیکن ان بے شمار فتنوں میں سے چند قابلِ ذکر فتنے یہ ہیں:

۱:۔ نفاق اور ایک دوسرے پر بے اعتمادی: آج کل کے مسلمان (الا ماشاء اللہ) نہ اپنے رب سے مخلص ہیں اور نہ اپنے مسلمان بھائیوں سے اخلاص سے پیش آتے ہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کے نقصان کے درپے اور دھوکے کی فکر میں رہتا ہے، ظلم کو انصاف پر جھوٹ کو سچ پر اور حرام کو حلال پر ترجیح دیتا ہے۔

۲:۔ مال کی محبت اور حرص و لالچ: اسلامی و شرعی اصولوں کے طریقوں کے مطابق کاروبار کو پس پشت ڈال کر حرام اور سود جیسے گھناؤنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں اور دن رات

۱:..... شعب الایمان للبیہقی، ج:۵، ص:۲۶۷، رقم الحدیث:۶۱۸۸، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت

یہی فکر سوار ہے کہ کسی طرح مال زیادہ ہوجائے۔

۳:۔ اگر ایک شخص پنج وقتہ نماز میں پابندی سے حاضر ہوتا ہے، علماء کرام یا علم کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتا ہے اور مزید برآں تبلیغ میں کچھ وقت لگایا ہوا ہوتا ہے (ان چیزوں کی اہمیت اور فضیلت سے انکار نہیں) تو وہ اپنے آپ کو مفکرِ دین اور مجددِ اسلام سمجھنے لگتا ہے، پھر علماء کرام سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور خود کو ملائکہ مقربین میں سے خیال کرنے لگتا ہے، چنانچہ اسے علمائے دین، دینی مدارس اور دین کے دیگر تمام شعبے لایعنی اور مقصد سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں تو یہ بھی اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے، جس کا سد باب ضروری ہے۔

یہ تو صرف ایک جزوی نمونہ ہے جو کہ مختصراً عرض کیا گیا، مزید تفصیل آپ اس مجموعہ کے اندر پائیں گے۔

یہ کتاب اصلاً میرے حضرت محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے ان منتشر مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے مجلہ ''بینات'' میں ''بصائر و عبر'' کے عنوان سے تحقیقی، علمی اور حکیمانہ مقالات تحریر فرمائے، اور یہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی بصیرت اور دور اندیشی کی واضح دلیل ہے کہ آج سے پچیس تیس سال قبل جو حضرت نے تحریر فرمایا وہ حرف بحرف آج مشاہدہ میں ہے، چنانچہ ان بیش بہا مضامین میں سے خاطر خواہ حصہ فتنوں اور ان کے علاج سے متعلق تھا، لیکن منتشر طور پر اور عام آدمی کی دسترس سے دور تھا، چنانچہ ان مضامین کو عنوانات لگا کر مرتب کرنے کی ادنیٰ کوشش کی گئی ہے اور مقصود اس سے صرف اصلاح ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقۂ جاریہ، پڑھنے والوں کے لیے ذریعۂ ہدایت اور مرتب کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔

محمد انور بدخشانی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

فہرستِ مضامین

فتنے اور اُمتِ محمدیہ

حق تبارک وتعالیٰ جل ذکرہٗ نے اُمتِ محمدیہ کے لیے جس ہادی ورسول کا انتخاب فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم)، اُسے رحمۃ للعالمین بنایا، اس رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام اُمت (خواہ وہ دعوتِ محمدیہ کے سایہ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو) اس رحمتِ عامہ کی بدولت عام عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگئی۔ پہلی امتوں پر طرح طرح کے عذاب عام نازل ہوئے، جن سے پوری پوری امتیں تباہ وبرباد کردی گئیں، بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، بعض پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، بعض کو زمین میں دھنسایا گیا، بعض کو طوفان کی نذر کر دیا گیا اور بعض کو سمندر میں غرق کر دیا گیا، حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ان سے محفوظ رکھا۔

حضرت رسالت پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آباء نا وأ مھاتنا) نے ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ:

> ’’میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے ایسے آرہے ہیں جیسے بارش کے قطرے برستے ہیں۔‘‘ (۱)

عہدِ نبوت کے دورِ مبارک کے کچھ عرصہ بعد سے ہی ان فتنوں کا دور شروع ہوا ہے اور ہمیشہ مومنین ومخلصین کا امتحان ہوتا رہا ہے، لیکن عہدِ نبوت کے قرب کی وجہ سے ایمان اتنا قوی رہا

۱:.... مسند احمد بن حنبل، حدیث اسامہ بن زید، ج:۵، ص:۲۰۸، ط: عالم الکتب، بیروت

کہ زیادہ تر فتنوں کا دائرہ صرف ''عمل'' تک محدود رہا، دلوں کا یقین بڑی حد تک محفوظ رہا، لیکن عہدِ نبوت سے جتنا بعد ہوتا گیا، ایمان ویقین میں بھی ضعف رونما ہونے لگا، یہاں تک کہ عصرِ حاضر میں تو دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں فتنوں کا ایک ''سیلاب'' اُمڈ آیا ہے۔ علمی، عملی، دینی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی اتنے فتنے ظاہر ہو چکے ہیں کہ عقل حیران ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد:

''لتتبعن سنن من کان قبلکم ذرا عاً بذراع وشبراً بشبر حتی لو دخل أحدھم جحر ضبّ لد خلتموہ.''(۱)

یعنی ''تم بھی پہلی امتوں: یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے نقشِ قدم پر چل کر رہو گے اور ان کے اتباع میں اتنا غلو ہو جائے گا کہ اگر بالفرض کوئی کسی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے، یعنی فضول ولایعنی اور عبث حرکات میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔''

آج جب ہم دنیائے اسلام کا جائزہ لیتے اور مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت کو دیکھتے ہیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے موجودہ معاشرے کو جب دیکھتے ہیں خصوصاً بلادِ عربیہ اسلامیہ کا جب جائزہ لیتے ہیں تو بے حد افسوس ہوتا ہے کہ بمشکل کوئی خدوخال ایسا نظر آتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ مسلمان ہیں۔ ''مغربیت'' کے اس سیلاب میں اس طرح بہہ جانا انتہائی دردناک ہے، پھر کاش! یہ مغربیت اور یورپ پرستی ظاہر تک ہی منحصر ہوتی، اب تو یہ زہر ظاہر سے تجاوز کر کے باطن تک سرایت کر چکا ہے۔ خیالات، افکار، نظریات، احساسات سب ہی میں یورپ کا چربہ اتارا جانے لگا ہے۔ مسلمان ملکوں کی یہ تباہی وبربادی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ''قومیت'' کی لعنت اس تیزی سے اُبھر رہی ہے کہ الأمان الحفیظ، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں، نہ معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا؟

۱:.... صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم، ج:۲، ص:۱۰۸۸، ط: قدیمی

سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مغربیت کے ان زہریلے اثرات سے ''حرمین شریفین'' بھی محفوظ نہیں رہے۔ لڑکیوں کی تعلیم جبری ہوچکی ہے، تھیٹر کی بنیاد پڑ چکی ہے، ٹیلی ویژن جدہ، مکہ، مدینہ تک آ گیا ہے اور اس دردناک صورت میں کہ مدینہ منورہ میں ٹیلی ویژن کا افتتاح کسی امریکی فلم سے کیا گیا ہے، إنا للہ۔ مسجدِ نبوی کے بالکل سامنے ٹیلی ویژن لگا ہوا ہے، نماز عشاء کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہوکر آتے اور صلاۃ وسلام کا تحفہ بارگاہ قدس میں پیش کر کے نکلتے ہیں تو دلوں میں جو رقت ونور پیدا ہوتا ہے، ٹیلی ویژن کی ظلمتیں اس کو یکسر ختم کر دیتی ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر دردناک واقعہ یہ ہے کہ ''غزوۂ بدر کبریٰ'' کا ڈرامہ خاص مکہ مکرمہ میں ''عبداللہ بن الزبیرؓ'' کے مدرسہ میں طلبہ کے ذریعے کھیلا گیا ہے۔ ۱۷/رمضان المبارک دوشنبہ کی رات میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ کے بہت سے شرفاء ومعززین نے یہ ڈرامہ دیکھا ہے۔ طلبہ نے حضرت سعد بن معاذ، حضرت مقداد بن الاسود، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت حکیم بن حزام، ابوجہل اور ولید بن المغیرۃ کے کردار ادا کیے ہیں۔ اس ڈرامہ میں بار بار حضرت مقدادؓ، حضرت بلالؓ کو پردے کے پیچھے بھیجا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے آئیں کہ ان کی کیا رائے ہے؟ ستم یہ ہے کہ یہ ڈرامہ مکہ مکرمہ کے تمام اخبارات میں دیکھنے والوں اور دکھانے والوں کی تصویروں کے ساتھ شائع ہوا ہے اور تمام جرائد واخبارات اس رسوا کن ڈرامہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

اس وقت جریدہ ''الندوۃ'' شمارہ ۱۸/رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی یہ کٹنگ میرے سامنے ہے۔ بعض دیکھنے والوں کا تو یہ کہنا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ دردناک پہلو اس ڈرامہ کا یہ تھا کہ ڈرامہ کی روح یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کی زندگی ابتداء اسلام میں اسی طرح بسر ہوتی تھی کہ کفار کے قافلوں کو لوٹ کر اپنا گزارہ کریں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اسلام اور تاریخ اسلام کے خلاف امریکہ اور یورپ کے شیاطین جو کام خود نہ کر سکے

تھے وہ مسلمانوں سے کرادیا، فيا غربة الإسلام و يا غربة المسلمين!۔ حرمین شریفین کے وہ علماء اور نجد وریاض کے وہ مشائخ جن پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دارومدار ہے اور انہی کے فتاویٰ کی پورے ملک میں وقعت ہے، بلکہ دینی ذمہ داری اور شرعی احتساب کا دارومدار انہی پر ہے، وہ یہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ حکومت کی سیاسی مصالح اس تمدن وتہذیب کے اپنانے کی مقتضی ہیں، ہم کچھ نہیں کرسکتے یا کچھ نہیں کہہ سکتے:

لمثل هٰذا يذوب القلب عن كمد
إن كان في القلب إسلام و إيمان

ان فتنوں کو دیکھ کر خصوصاً منبع وحی اور مرکز ایمان، ان بقاع مقدسہ کے فتنوں کو دیکھ کر یقین ہوتا جارہا ہے کہ ''قیامت کبریٰ'' اب بالکل قریب آ چکی ہے۔ اصلاح کی کوئی امید نظر نہیں آتی، اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔ انتہائی فکر اور تشویش اس کی ہے کہ حجاج کرام اور زائرین حرم اقدس ان حالات کو دیکھ کر کیا تأثرات اپنے دلوں میں لے کر آئیں گے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین قرآن وسنت ہے، وہ یقینا محفوظ ہے، صحابہ کرامؓ کی حیات مقدسہ تاریخ اسلام کے صفحات پر عیاں اور روشن ہے، صحیح دین پر عمل کرنے والوں کی جماعتیں اور افراد بھی دنیا میں موجود ہیں، لیکن بشریت کی کمزوری، نفس اور شیطان کی فریب کاری کے تحت یہ ''بے علم'' حجاج وزائرین ان فتیح مناظر کو دیکھنے کے بعد کیا تأثرات اختیار کریں گے؟ خدا ہی جانتا ہے۔

بس اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت میں ہے کہ کوئی لطیفۂ غیبی ظاہر ہو اور دینی انقلاب آجائے، وما ذٰلك على الله بعزيز.

اُمتِ مرحومہ اور فتنے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اُمتِ مرحومہ رحمۃٌ للعالمین (ﷺ) کی برکت سے اگر چہ بہت سے ان عمومی امراض اور عمومی عذاب سے نجات پا چکی ہے، جن میں پہلی امتیں مبتلا ہوئی ہیں، لیکن اس کے باوجود مومنین کے ایمانی امتحان کے لیے اس اُمت کے ہر دور میں فتنوں کا ایک مسلسل تکوینی نظام جاری ہے، حتیٰ کہ ''فتنہ'' نام ہی آزمائش کا ہوگیا اور جب بھی کوئی فتنہ عالمگیر صورت اختیار کرلیتا ہے تو روئے زمین کے تمام مخلصین وصالحین کے قلوب بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اگر چہ وہ عملی طور پر اس سے ہر طرح محفوظ رہتے ہیں، تاہم اعتقادی طور پر ان میں وہ ایمانی قوت وشدت باقی نہیں رہتی جو پہلے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوت سے جتنا بُعد ہوتا جاتا ہے ان فتنوں کی اتنی ہی کثرت ہوتی جاتی ہے اور اسی نسبت سے ایمانوں میں ضعف نمایاں ہوجاتا ہے۔ جب بارشیں کثرت سے ہوجاتی ہیں تو ساری ہی فضا اور ہوا مرطوب اور نم ہوجاتی ہے اور جہاں جہاں ہوا کا نفوذ ہوتا ہے رطوبت اور نمی سرایت کرجاتی ہے۔ دیکھا ہوگا کہ برسات کے موسم میں بارش کی کثرت سے بکسوں کے اندر بند لپٹے ہوئے کپڑوں میں بھی نمی پہنچ جاتی ہے، ٹھیک اسی طرح فسق وفجور اور بداعمالی کے فتنوں کے دور میں صالحین کے قلوب بھی ان سے متاثر ہوجاتے ہیں اور حدیثِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام):

''اللّٰهم إذا أردت بقوم فتنةً فاقبضني إليك غير مفتون .''(۱)

۱:..... سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ ص، ج:۲، ص:۱۵۹، ط: قدیمی

''الٰہی! جب تو کسی گروہ کو کسی فتنہ (آزمائش) میں ڈالنا چاہے تو مجھے (اس سے پہلے ہی) فتنہ (آزمائش) کے بغیر اپنے پاس اُٹھالے۔''

میں شاید اسی مضمون کی طرف اشارہ ہو۔

فتنوں کی اقسام:

ہر دور میں فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر فتنے دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱:۔ایک عملی فتنے

۲:۔دوسرے علمی فتنے

عملی فتنے

گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جو اُمت میں عام ہو جاتی ہیں۔ زنا اور شراب کی کثرت، سودخوری ورشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، رقص وسرود، اس کے نتیجہ میں استبداد (ظلم)، کذب وافتراء، بدعہدی وبدمعاملگی وغیرہ، یہ اخلاقی بیماریاں جو معاشرہ میں پیدا ہو جاتی ہیں ان کے مختلف اور متنوع وجوہ واسباب ہوتے ہیں۔ بہرصورت ان بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کے اثرات نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑتے ہیں، جتنی ان برائیوں میں کثرت وہمہ گیری پیدا ہوتی ہے، اتنی ہی ان نیکیوں میں ضعف واضمحلال اور کمی آجاتی ہے۔

علمی فتنے

علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں۔ بہرصورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے۔ ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ 'باطنیہ' (اسماعیلی فرقہ) کا تھا، جو قرامطہ کے دور میں اُبھرا اور خوب پھلا پھولا۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد وتحریف کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی حقائق: ''ضروریاتِ دین، متواتراتِ اسلام، بنیادی عقائد واعمال، مجمع

علیہ شعائرِ اسلام'' میں تاویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے۔ (اور اسی کے نتیجے میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر شعائرِ اسلام ان کے مذہب سے نکالے گئے)

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا اور مستشرقینِ یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، نشرواشاعت، تحقیق وریسرچ، غرض ہر دلکش اور پرفریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کردیں اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک ''کارگرترین حربہ'' قرار دے لیا، یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی-ایچ-ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں، ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے ''اسلامی موضوعات'' پر ایسے ''مقالات ومضامین'' لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم ازکم ''تشکیک'' کے اندر ضرور مبتلا ہوجاتے ہیں۔ یہ وہ دردناک داستانیں ہیں، جن کی تفصیل کے لیے بے پایاں دفتر درکار ہیں۔ ''مجمع الزوائد'' میں حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے بحوالہ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابیؓ نقل کی ہے:

''إنه كان يتعوذ من فتنة المشرق، قيل: فكيف فتنة المغرب؟ قال: ''تلك أعظم وأعظم.''(۱)

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنۂ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔''

یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کی مراد فتنۂ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوطِ اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس

۱:.... مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب التعوذ من الفتن، ج:۷، ص:۴۴۹، ط: دارالفکر بیروت

ملک میں نہ رہا، تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلادِ مغرب کے اس ''فتنۂ استشراق'' کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد وتحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا، جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا۔ بہرحال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

ان علمی وعملی فتنوں کا انسداد

الغرض اس دور میں یہ علمی وعملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون ومحفوظ تھا، لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے، کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال ودولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

تبلیغی جماعت کے ذریعے علمی فتنوں کا انسداد ممکن نہیں

عرصہ سے جب بھی ان حالات کا جائزہ لیا گیا اور صورت حال پر غور وخوض کیا گیا کہ اس سیلاب کی روک تھام کے لیے یا عمومی اصلاحِ احوال کے لیے کون کون سے افراد یا جماعتیں کام کررہی ہیں؟ اور یہ فرضِ کفایہ انجام پذیر ہورہا ہے یا نہیں؟ اور یہ دینی درس گاہیں جو پشاور سے لے کر چاٹگام تک پھیلی ہوئی ہیں، یہ موجودہ ملک گیر امراض کے لیے ''نسخۂ شفا'' ہیں یا نہیں؟ جب بھی پورا جائزہ کامل غور وخوض سے لیا گیا، نتیجہ یہی نکلا کہ ''مرض کا پورا علاج نہیں ہورہا'' حضرت مولانا محمد الیاس اور اُن کے خلفِ رشید حضرت مولانا محمد یوسف رحمہما اللہ کی جماعت جس کا بعد میں جا کر ''تبلیغی جماعت'' نام پڑ گیا ہے، سب جماعتوں سے بہتر خدمت انجام دے رہی ہے اور اس کے برکات دور دراز تک پہنچ رہے ہیں اور معاشرے میں جو عملی فتنے پیدا ہورہے ہیں ان کے ازالہ کے لیے ''اکسیری علاج'' کا کام کررہی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں انقلاب برپا کرنے اور مکمل اصلاح احوال کے لیے جس عمومی اور ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت

ہے، ابھی تک اس معیار پر کام نہیں ہو رہا۔ بایں ہمہ اگر یہ جماعت کچھ اور عموم اور مزید توجہ واہتمام کے ساتھ بھی یہ خدمت انجام دینے لگے، تب بھی اس کا دائرہ کار ''عملی فتنوں'' کی اصلاح تک محدود رہے گا۔ ''علمی فتنے'' اس جماعت کے دائرۂ اصلاح سے بالکل باہر ہیں۔

اس لیے آرزو تھی کہ کوئی جماعت ایسی جامع ہو کہ علمی اور عملی دونوں قسم کے فتنوں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے، لیکن اس کا تانا بانا اسی ''تبلیغی جماعت'' کے طریقِ کار پر رکھا جائے کہ نہ اس کا کوئی صدر و سیکرٹری ہو، نہ کہیں اس کا دفتر ہو، نہ خزانہ ہو۔

علمی و عملی فتنوں کے انسداد کے لیے

ایک اصلاحی جماعت کی تاسیس

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے مختلف اوقات میں گفتگو ہوتی رہی اور ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو دینی درسگاہیں ہم چلا رہے ہیں، اگرچہ وہ بھی ایک ٹھوس اور بنیادی خدمت ہے اور دہریت کے سیلاب کے دفاع کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے، لیکن بحالتِ موجودہ ہماری مسئولیت اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اس سے زیادہ محنت اور وسعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے اور جب تک ان علمی اور عملی فتنوں کے دفاع کے لیے اپنے اپنے ''مدرسہ'' اور دارالعلوم میں جتنی اہمیت و توجہ کے ساتھ کام نہ کیا جائے گا یہ مقصد انجام پذیر نہ ہوگا اور ہم مسئولیت سے سبکدوش نہ ہوں گے۔

کام کی وسعت اور ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ پر اپنی کم ہمتی اور اس سے بھی زیادہ کوتاہ دستی کی طرف جب نظر جاتی تھی تو حوصلہ پست ہو جاتا، لیکن جتنا سوچا آخرت کی مسئولیت اور جواب دہی کا احساس شدت کے ساتھ بڑھتا رہا، تا اینکہ بہرصورت پہلو تہی اور روگردانی کی کوئی گنجائش نہ رہی اور عزم مصمم کر لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو توکلاً علی اللہ اس بے سر و سامانی سے قطع نظر کر کے حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں قدم اٹھانے کا عزم کر لیا۔

اور ہم دونوں نے چند اپنے ہمنوا اور شریک احساس علماء اور اربابِ صحافت کو بالکل

''غیر رسمی'' طور پر کراچی میں جمع کر کے اس جماعت کا ایک ابتدائی ڈھانچہ تیار کرلیا، جس کی تفصیلات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر، اس جماعت کے اغراض ومقاصد، نظام اور طریق کار میں آپ ملاحظہ فرمائیں:

فتنوں کے خاتمے کے لیے مجلسِ دعوت واصلاح کا قیام

اہلِ علم اور اہلِ دین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت مسلمان اپنی غیر معمولی عددی اکثریت اور بہت سی آزاد وخود مختار سلطنتوں کے مالک ہونے کے باوجود کن دل دوز حالات سے گزر رہے ہیں۔ دینی، علمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی جس حیثیت سے بھی پوری مسلم قوم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آجاتا ہے کہ اس کے عواقب کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِى النَّاسِ.''(۱)

''ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے۔''

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغدار شد

ہمارے اپنے ملک میں ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مشنریوں نے پورے ملک پر یلغار کی ہوئی ہے، طرح طرح کے لالچوں اور مختلف حیلوں سے بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو دینِ حق سے مرتد بنا رہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہو گئے ہیں جو اصلی اسلام کو مسخ ومحرف کر کے اپنی اغراض واہواء کے مطابق ''اسلام کا جدید ایڈیشن'' تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ''اسلامی ریسرچ'' اور ''اسلامی ثقافت'' کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے جو ''مستشرقین'' کے اسلام دشمن حلقے اب تک نہ کر سکے تھے۔ ''شعائرِ اسلام'' کو مجروح اور اسلام کے ''اجماعی'' اور ''متفق علیہ'' اُصول واحکام کو مشکوک بنانے کی ''سعیِ پیہم'' قوم کے لاکھوں

۱:..... الروم:۴۱

روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی، عریانی، رقص وسرود، بے حجابی، اغواء، بدکاری، شراب نوشی، قماربازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں میں اڈا چلا آ رہا ہے۔ سود، دھوکہ، فریب، جعلسازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کیے جا رہے ہیں اور عام ''نظم ونسق'' کا تعطل اس حد تک شدید ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کے لیے حصولِ انصاف تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہواروں سے شروع ہوا اور اب دیندار مسلمانوں تک کے گھروں میں گھس چکا ہے اور اکابر علماء واتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد میں اہلِ حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگا دیئے تو چند سالوں کے بعد ہلاکت آفریں طوفان کے مقابلہ کی سکت ہی باقی نہ رہے گی۔

دینی درسگاہوں اور اداروں کی اول تو کوئی معتدبہ تعداد ہی نہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جو کچھ کام کر رہے ہیں، ان کا بھی حلقۂ اعانت وہمدردی روز بروز سمٹ رہا ہے، اسی لیے ان اداروں کے اثرات مدہم سے مدہم تر ہوتے جا رہے ہیں اور ان اداروں سے اب ایسی شخصیتیں نہیں اُبھر رہیں جو الحادوزندقہ اور ضلالتِ جدیدہ کے علی الرغم ''علمِ اسلام'' کو ہمت وجرأت سے بلند کرسکیں اور دعوت الی اللہ کے تقاضے کو پورا کرسکیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دینی درس گاہوں اور اداروں میں بھی فکرِ آخرت سے زیادہ جاہ ومال کی طلب غالب ہونے لگی ہے اور روحانی قدروں پر مادیت غالب آتی جا رہی ہے۔

ان حالات میں نگاہیں بار بار ان چند اصحابِ فکروعمل کی جانب اٹھتی ہیں جو ماحول کی نامساعدت کے علی الرغم عنداللہ مسئولیت کا احساس رکھتے ہیں، جن کی نظریں ان فتنوں پر بھی ہیں

جن کی نشاندہی ابھی کی گئی ہے اور جو اپنی اپنی حد تک ادائیگیِ فرض میں کوشاں بھی ہیں۔

ان حضرات کی اکثریت دینی اداروں سے متعلق ہے، کچھ دینی تعلیمی اداروں کو چلا رہے ہیں اور کچھ تصنیف و تالیف، افتاء اور اپنے افکار کی نشر و اشاعت، نیز لادینی، الحاد اور تجدد کی تردید میں مصروف ہیں۔ بلاشبہ ان حضرات کی تعداد بہت کم ہے، لیکن اگر ان کی مساعیِ حسنہ کو منظم کرلیا جائے تو یہ اُمید بندھتی ہے کہ اس الحاد و بے دینی اور اشاعتِ فواحش و منکرات کے سیلاب کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے ضعف و ناتوانی کو دیکھ کر وہ ان حقیر مساعی میں حالات کا رخ بدلنے کی قوت و استعداد پیدا فرمادیں، وما ذٰلك علی اللّٰہ بعزیز۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ہم دین کی خدمت کرنے والے چند ایسی اُلجھنوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں جو ہماری دینی مساعی کے ثمر آور ہونے میں مانع ہیں، بلکہ بے دینی کے اس سیلاب کو ہمارے ان ''مشاغل'' سے مدد بہم پہنچ رہی ہیں۔

موانعات کے اس سلسلہ کی ''پہلی کڑی'' یہ ہے کہ دین کے نام پر کام کرنے والے بہت سے اہلِ علم خود فروعی مسائل پر مناظروں، مباحثوں اور ان کے نتیجہ میں جنگ وجدال کے اندر ایسے گرفتار ہیں کہ اولاً تو یہ جھگڑے انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتے کہ اسلام اور قرآن ان کو کس محاذ پر اپنی طاقت صرف کرنے کے لیے پکار رہا ہے اور وہ کہاں اپنی توانائی ضائع کررہے ہیں۔

''ثانیاً'' الحاد و بے دینی اور تجدد پسندی اور بداعمالی و بداخلاقی کا جو طوفان پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ یہ تگ و دو جو باہمی مناقشات کی صورت میں کررہے ہیں اس طوفان سے صرف نظر کا سبب بن رہی ہے اور ہم اس کی ہلاکت و بربادی کے صحیح شعور سے ہی محروم ہوتے چلے جارہے ہیں۔

یہ صورتِ حال اس امر کی متقاضی ہے کہ دین کا علم اور عند اللہ مسئولیت کے قوی

احساس کے تحت اس عالمگیر فساد کی اصلاح کا قومی داعیہ رکھنے والے حضرات کی دینی مساعی کو ایک ایسے اجتماعی نظم کے تحت منظم کیا جائے جو مروجہ قسم کی جماعت سازی کے بجائے اسلام کے اصول اجتماعیت: '' تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ''[1] اور '' إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ أَتْقَاكُمْ ''[2] کے تحت قائم ہو، رسمی تکلفات اور پابندیوں سے مبرا ہو اور اُمت میں کسی قسم کے تحزُّب اور تشتُّت کا باعث بننے کے بجائے باہمی ایتلاف واتحاد کا ذریعہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر کے اس حصہ سے گزر رہا ہوں کہ جس میں عادتاً سابقہ مشاغل بھی چھوڑ کر یکسوئی کی زندگی موزوں ہوتی ہے۔ قویٰ کا انحطاط ہے، حافظہ غائب ہوتا جا رہا ہے، ایسی حالت میں کسی نئے کام کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی، مگر اس وقت میرے محب محترم مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (بارك الله فی علمه و عافیته) نے ہمت بندھائی اور اس کام کا بار اُٹھانے کے لیے مخلصانہ جدو جہد پر کمر بستہ ہو گئے، ان کا علم وفضل محتاجِ تعارف نہیں، اصلاحِ مفاسد کے لیے ان کی بے چینی کا جذبہ مجھ جیسے بوڑھے کے لیے ایک '' طاقت کا انجکشن '' بن گیا اور دونوں نے مل کر کچھ اور اہلِ فکر حضرات کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دعوت تمام رسمی تکلفات، تنظیمی اور جماعتی بندھنوں سے بالاتر ہے، اسی لیے وقتی طور پر جن حضرات اہلِ فکر وعمل کے اسماء گرامی زیر مشورہ آئے ان کو دعوت دی گئی، نہ اس میں حضرات علماء کا انحصار ہے، نہ اہلِ فکر وبصیرت کا، بلکہ ایک کام کو سادگی کے ساتھ شروع کرنے کے لیے چند حضرات کا مشورہ اس وقت کافی سمجھا گیا۔ آگے اللہ تعالیٰ اس کام کو بڑھائیں اور قبول فرمائیں تو اس حلقہ کی توسیع اور دوسرے حضرات کا اشتراک واجتماع ان شاء اللہ! بڑھتا رہے گا۔

اس نظام کو چونکہ سیاسی اور رسمی تنظیموں سے مختلف بالکل سادہ رکھنا مطلوب ہے، اس لیے ابتدا میں تو یہ خیال تھا کہ اس نظام کا کوئی خاص نام بھی نہ رکھا جائے، مگر کام کی سہولت کے

۱:.... المائدۃ:۲

۲:.... الحجرات:۱۳]

پیشِ نظر بعض حضرات کے مشورہ سے اس رائے کو ترجیح حاصل ہوئی کہ اس نظام کا نام ''مجلس دعوت واصلاح'' رکھ دیا جائے۔

مجلس دعوت واصلاح کے مقاصد

مقاصد

۱:۔الحاد وارتداد، بے دینی اور تحریفِ دین اور مجمع علیہ منکرات کے سدِّباب کے لیے زبانی اور تحریری جدوجہد۔

۲:۔مسلمانوں کے مختلف طبقات کے گروہی اختلافات کو معتدل کر کے سب کو مجمع علیہ فواحش ومحرمات اور تحریف والحاد کی مدافعت پر جمع کرنا۔

۳:۔جدید پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتووں کے بجائے باہم مشورہ سے تحقیق اور اجتماعی فیصلے پیش کرنا۔

تشریح:

۱:۔الحاد وارتداد کے ذیل میں عیسائی مشنریوں کی یلغار، انکارِ حدیث، انکارِ ختم نبوت وغیرہ کے فتنے بھی شامل ہیں۔

۲:۔بے دینی اور تحریفِ دین کے ذیل میں ''اسلامی ثقافت''، ''اسلامی ریسرچ'' کے نام پر پیدا کیے ہوئے شکوک وشبہات جن کے ذریعہ سود، شراب، قمار، بے حیائی وغیرہ محرمات شرعیہ کے جواز کے راستے نکالے جارہے ہیں اور مغربی تہذیب وتمدن کی پیداوار منکرات مثلاً: بے حجابی، بادہ نوشی، مردوزن کا بے محابہ اختلاط، عریانی، فحاشی، رقص وسرود کی محفلیں، اسراف وغیرہ منکرات شامل ہیں۔

دین اور علم دین سے عام بیگانگی اور عقیدۂ آخرت وفکرِ آخرت سے غفلت کے پیدا کردہ جرائم مثلاً: جھوٹ، فریب، رشوت، دھوکا دہی، جعلسازی اور ترکِ نماز وروزہ وغیرہ شامل

ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مقاصد اتنے کثیر اور وسیع ہیں کہ کوئی ایک جماعت یا ملک کا کوئی ایک حصہ ان سب کا بیک وقت احاطہ نہیں کر سکتا، اس لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر ہر حصہ میں اہلِ حق کی جماعتوں کے لیے اشتراکِ عمل کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور ''الأھم فالأھم'' کے قاعدہ سے انتخاب اور پھر تقسیمِ کار کے اصول پر کام کیا جائے اور عملی قدم اٹھایا جائے اور جماعت کے چند ذمہ دار افراد اس کی تعیین کا کام کریں۔

نوعیتِ نظام:

۱:۔ یہ نظام خالصاً تبلیغی اور اصلاحی ہوگا، مروجہ سیاسی طریقوں سے بالخصوص انتخابات کے ذریعہ نمائندگی، نیز حصولِ اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲:۔ ملک کے حالات اور عوامی جماعتوں کے طویل تجربہ کی بنیاد پر اس نظام کے لیے کوئی رسمی قسم کی جمہوری جماعت بنانا پیشِ نظر نہیں، جس کے لیے ممبر سازی اور عہدوں، منصبوں کی ضرورت پیش آئے، بلکہ ملک کے اطراف میں جہاں جہاں جو مخلص حضرات اس کام کی فکر رکھتے ہیں، وہ اپنے حلقۂ اثر میں اپنے کام میں آزاد و خود مختار رہتے ہوئے اس کام کی نوعیت اور طریق کار میں ایک معاہدہ کے پابند ہوں گے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے، اس طرح یہ نظام ایک ''معاہداتی وفاق'' کی حیثیت رکھے گا اور عند اللہ مسئولیت کی اساس پر قائم اور جاری رہے گا۔

اس نظام کے شرکاء مندرجہ ذیل امور کا معاہدہ کریں گے:

(الف)...... ہم خالصاً لوجہ اللہ مقاصدِ ثلاثہ مذکورہ کو اپنے سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیں گے اور موجودہ مشاغل میں سے اس کام کے لیے معتد بہ وقت نکالیں گے۔

(ب)...... الحاد، بے دینی اور مجمع علیہ منکرات و محرمات کے ازالہ کی جدو جہد اور اپنے اپنے اقرباء و احباء نیز معاشرہ کے ہر طبقہ بشمول حکمران و فرمانروایانِ ملک سب کی اصلاح ہمارا

مقصدِ اول ہوگا۔

(ج)......فروعی اور گروہی مسائل کی بحثوں کو معتدل کرنے اور کرانے کی جدوجہد کریں گے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان بحثوں کو صرف حلقۂ درس وفتویٰ اور خالص علمی مجالس تک محدود رکھا جائے گا، اس کے لیے عام اخباری اور عوامی ذرائع استعمال نہ کیے جائیں گے، مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اپنے مختار مسلک پر عمل کریں گے، مگر مخالف پر نکیر نہ کریں گے اور منکراتِ شرعیہ پر نکیر میں بھی حکمت وموعظت اور ''مجادلة بالتي هي أحسن'' کے اصول کو نظر انداز نہ کریں گے، طنز اور طعن وتشنیع سے ہمیشہ گریز کریں گے۔

۳:- اس نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے ایک مختصر سی اساسی مجلسِ شوریٰ ایسے علماء پر مشتمل ہوگی جن کے علمی کارنامے معروف ہوں اور ان کے تقویٰ ودیانت پر عام طور سے اعتماد پایا جاتا ہو، یہ جماعت اپنا ایک امیر منتخب کرے گی اور اپنے اصولِ کار خود طے کرے گی، ملک میں کام کرنے والے حلقے اس جماعت سے منسلک ہوں گے، اہم امور میں اس مرکزی نظم قائم کرنے والی جماعت سے مشورہ لیا کریں گے۔

۴:- یہ مجلس ان کام کرنے والے حلقوں کی ضروری نگرانی اور دوسرے جدید حلقے پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔

۵:- یہ جماعت اپنے تمام حلقہ ہائے کار کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماع کرنے کا انتظام کرے گی، جن میں سابقہ کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کے کام کا پروگرام باہمی مشورہ سے طے کیا جائے گا۔

۶:- دعوت واصلاح کے اس نظام میں ملک کے دونوں بازو مغربی اور مشرقی شریک ہوں گے۔ سہولت کار کی غرض سے مشرقی پاکستان میں اسی طرح کی ایک مجلس شوریٰ بنائی جائے گی اور دونوں مجلسوں کے باہمی مشورہ اور اشتراک وارتباط کا طریقہ مشورہ سے طے کرلیا جائے گا۔

۷:- یہ جماعت اس کا بھی انتظام کرے گی کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں

انفرادی فتاویٰ کے بجائے ملک کے اربابِ فتویٰ کی آراء حاصل کرے اور ضرورت ہو تو ان حضرات میں سے جن کی ضرورت محسوس ہو، ان کو جمع کر کے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور پھر علماء کی تصدیقات حاصل کر کے ان کو شائع کرے، تاکہ عوام بھی انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور علماء کو بھی زیرِ بحث مسئلے کے تمام پہلو سامنے آ جانے کے بعد صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے۔ اس کام کے لیے اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی خاص فن کی تحقیق ضروری ہو تو اس فن کے ماہرین کو بھی علماء کی مجلس میں جمع کر کے ان کی تحقیق سے فائدہ اُٹھایا جائے، نیز مشکلات کے حل میں بحیثیت مجموعی کتاب وسنت اور پوری فقہ اسلامی کو بطور اساس سامنے رکھا جائے گا، جیسا کہ ہر اسلامی دور میں ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح کوئی طبی مسئلہ ہوگا تو ماہرینِ فن اطباء اور ڈاکٹروں سے، اور سائنسی مسئلہ ہے تو ماہرینِ سائنس سے، علیٰ ہذا دوسرے فنون کے ماہرین سے اس کے حل کرنے میں مدد لی جائے گی۔

۸:- سرِدست یہ ''اساسی شوریٰ مجلسِ دعوت واصلاح'' مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل افراد سے تشکیل کی جاتی ہے:

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (۲) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (۳) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی (۴) حضرت مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ خٹک) (۵) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب (گوجرانوالہ) (۶) حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (۷) حضرت مولانا خان محمد صاحب (کندیاں شریف)۔

طریقِ کار:

(۱) ...... ملک کے جن حصوں میں اصلاحِ مفاسد کا کچھ کام ہو رہا ہے اس کو فروعی اور گروہی مسائل میں صرف کرنے کے بجائے مجمع علیہ منکرات اور الحاد وتحریفِ دین کے فتنوں کی طرف متوجہ کرنا اور ''پیغمبرانہ طریقِ دعوت'' کے اصول کو اپنانے کی دعوت دینا۔

(۲)...... ملک کے عام علماء سے روابط پیدا کرنا اور ان کو مذکورہ بالا طریق پر کام کرنے

کے لیے آمادہ کرنا۔

(۳)......خطباتِ جمعہ اور عام مجلس میں عوام کو ان فتنوں سے متنبہ کرنا اور ان میں فکرِ آخرت اور ان کا دینی شعور بیدار کرنا، خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اور ضروری علم دین سیکھنے اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کی دعوت دینا۔ اخلاق، معاملات اور اداء حقوق اور اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کرنا، مسلمانوں کو مغرب کی مہنگی اور گندی معاشرت سے نجات دلانے کی جدوجہد کرنا۔

(۴)......دینی مدارس اور اداروں سے ارتباط پیدا کر کے ان کو مندرجہ ذیل امور کے لیے آمادہ کرنا۔

(الف) ضروریاتِ دین اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب حسبِ استطاعت ہر محلہ میں قائم کرنا۔

(ب) بڑی بڑی مساجد میں عوامی درسِ قرآن اور درسِ حدیث جاری کرنا۔

(ج) مغربی تعلیم یافتہ حضرات کو دینی معلومات بہم پہنچانے اور تحریفِ دین کے دسائس سے آگاہ کرنے کے لیے شبینہ کلاسیں جاری کرنا اور خصوصی مجالس میں ان موضوعات پر مذاکرے اور مباحثے منعقد کرنا۔

(د) ناخواندہ عوام کو ضروریاتِ دین سے واقف کرنے کے لیے عوامی شبینہ کلاسوں کا انتظام کرنا، جن میں ایسا نصاب پڑھایا جائے جو محدود وقت میں دین کی بنیادی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو۔

(ہ) خطباء کی خصوصی تربیت کا انتظام کرنا، تاکہ وہ بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریق پر انجام دے سکیں۔

(۵) ...... تعلیم یافتہ اور مغربی تعلیم کے اداروں، حکمران طبقوں، تجارتی حلقوں، اخبارات و جرائد اور معاشرہ کے دوسرے عناصر کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب متوجہ

کرنے کے لیے تحریر وتقریر کا خصوصی مجلسوں، ملاقاتوں وغیرہ کے ذریعہ اہتمام وانصرام کرنا۔

فتنے اور شرور کی زیادتی

حضرت صادق ومصدوق سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداه أبي وأمي) کا ارشادِ گرامی ہے کہ خیر وسعادت کے تمام ابواب میں روز افزوں تنزُّل ہی تنزُّل ہے، صرف ''شر'' ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں برابر ترقی ہوتی جائے گی۔

حدیث کے الفاظ جو مسند احمد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہیں، یہ ہیں:

''كل شيءٍ ينقص إلا الشر فإنهٗ يزاد فيه.''(۱)

دنیا کی ہر چیز روبہ تنزُّل ہے، سوائے شر کے کہ اس میں برابر اضافہ وترقی ہوتی رہے گی۔

صحیح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، زبیر بن عدیؒ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم کی شکایت کی، فرمایا: صبر کرو! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:

''تم پر جو زمانہ بھی آئندہ آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا۔''(۲)

آج نقشۂ عالم کو سامنے رکھ کر دیکھئے، مرکزِ عالم (مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور حجاز مقدس) سے لے کر تمام عرب، تمام ایشیا، تمام یورپ اور امریکہ کے جس جس خطے پر نظر جاتی ہے وہ شرور وفتن کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ آفات ومصائب کا ایک عالمی طوفان ہے جو تھمتا نظر نہیں آتا۔ اضطراب وقلق، بے چینی وپریشانی اور حیرانی وسراسیمگی کا ایک کوہِ آتش فشاں ہے جس کے عالمگیر شعلوں نے پورے عالم کے امن وسکون اور حقیقی مسرت کو خاکستر کرڈالا ہے، فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں، دینی وعلمی فتنے، ملکی وقومی فتنے، تہذیب وتمدن کے فتنے، آرائش کے فتنے، سرمایہ داری کے فتنے، غربت وافلاس کے فتنے، اخلاقی وسیاسی فتنے۔ دنیا کا کوئی گوشہ فتنوں کی یورش سے خالی

۱:.... مسند احمد بن حنبل، ومن حدیث ابی الدرداء، رقم الحدیث: ۲۷۴۸۳، ج:۶، ص:۴۴۱، ط: عالم الکتب بیروت

۲:.... صحیح البخاری، ابواب الفتن، باب لایاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ، ج:۲، ص:۱۰۴۷، ط: قدیمی

نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام دنیا، آخرت فراموشی، دنیا طلبی اور خدا تعالیٰ کو بھول جانے کی سزا بھگت رہی ہے:

''وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى.''(۱)

''اور جو شخص میری یاد سے منہ موڑے گا، پس یقینی طور پر اسے ''تنگ زندگی'' نصیب ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے۔''

شقاق ونفاق کی حد ہوگئی، جو ''مجاہدین'' قدس اور عمان کے محاذ پر ''اسرائیل'' سے نبرد آزما تھے، ان کا رخ یہودیوں سے ہٹ کر اپنوں کی طرف مڑ گیا، باہم دست وگریباں ہوکر ہزاروں نوجوان ''اپنوں'' کا نشانہ بن گئے اور ایک بڑی طاقت جو اعداء اسلام کے مقابلہ میں سینہ سپر تھی وہ خانہ جنگی کی نذر ہوگئی، إنا للّٰه۔ اس سے بڑھ کر عبرت کی کیا خبر ہوگی؟ کہ ایک ہی ملک وملت اور ایک ہی قوم کے افراد کے باہمی نفاق وعناد کا جب یہ حال ہو تو ان سے دوسروں کے ساتھ خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے اس صورت حال سے امریکہ اور روس (خدا دشمن) فائدہ اُٹھائیں گے، ایک طاقت ایک فریق کو شہ دے گی اور دوسری دوسرے فریق کو اُبھارے گی اور یوں مشرقِ وسطیٰ کو ایک نیا ''ویت نام'' بنایا جائے گا، بچے مسلمانوں کے کٹ رہے ہیں، قوت مسلمانوں کی پامال ہورہی ہے، افسوس!

از ما است کہ بر ما است

ان حالات میں کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ سوریا، عراق اور مصر کے عرب متحد ہوکر اعداء اسلام کے سامنے سینہ سپر ہوسکیں گے؟ بلکہ عرب ممالک میں خانہ جنگی کا ایک نیا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔

سنا ہے کہ لیبیا سے جو امریکہ کا عظیم الشان ہوائی اڈہ اُٹھایا جارہا ہے، اسے سرزمینِ مقدس حجاز میں مکہ ومدینہ کے درمیان منتقل کیا جائے گا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے بڑھ کر

۱:.... طٰہٰ: ۱۲۴

دردناک صورت حال اور کیا ہوگی؟ نہ معلوم دورِ حاضر کے مسلمان سلاطین وحکام کی عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے ہیں کہ عواقب کا احساس ہی ختم ہوگیا۔

فتنوں کی آماجگاہ عالم اسلام

خیر! یہ داستان تو جتنی دردناک ہے اس سے زیادہ طویل ہے، کہنا یہ ہے کہ تمام عالم اور عالم اسلام خصوصاً فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور یہ تشتُّت وافتراق کا فتنہ تو اتنا الم انگیز ہے کہ اس سے ۔الا ماشاء اللہ۔ کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔ عوام وخواص، عالم وجاہل اور ملوک ورعایا سب میں سرایت کر گیا ہے، اتحاد واتفاق اور خدا تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے سچی محبت کرنا قصۂ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔ (۱)

باہر کی دنیا کو جانے دیجیے، خود ہمارے ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاسی جماعتوں میں جس طرح سر پھٹول اور رسہ کشی ہورہی ہے، اس سے عقل حیران ہے، ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا اور خدا کے بے گناہ بندوں کی طرف گھناؤنے فرضی افسانے منسوب کرنا، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا، سیاسی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ جن جماعتوں کے افراد کی اسلام دشمنی، روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، وہ بھی لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ اسلام کا ہمدرد اور خیر خواہ ظاہر کررہے ہیں اور اپنے مخالفین کو نہ معلوم کیا کیا خطاب دے رہے ہیں۔ (۲)

۱:.... حضرت حکیم الامۃ تھانوی (نور اللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں کہ: ہمارے حاجی صاحب (قطب العالم مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) فرمایا کرتے تھے: ’’اتفاق کی جڑ تواضع ہے اور افتراق کی بنیاد کبر ہے۔‘‘ (جب ہر شخص اپنی جگہ ’’بقراط‘‘ اور ’’فرعون‘‘ ہو تو اتحاد کہاں سے آئے؟!)

۲:.... یہاں یہ لطیفہ قابلِ ذکر ہے کہ ایک ’’سیاسی جماعت‘‘ کے یومِ تاسیس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت کے نام میں ’’اسلام‘‘ کا لفظ نہیں آئے گا، چنانچہ خالص ’’انگریزی نام‘‘ رکھا گیا، جس کا صحیح تلفظ شاید خود جماعت کے بیشتر ارکان بھی نہیں کرسکتے، عوام بے چارے کیا کریں گے، لیکن اسلام سے اتنی نفرت کے باوجود ’’سیاسی طور پر‘‘ غریب اسلام کی حمایت میں ماشاء اللہ! وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں۔)

یہ تو ظاہر ہے کہ اس عالمِ کون وفساد کا خمیر ہی خیر وشر کے مرکب سے اٹھایا گیا ہے، دنیا کا مزاج خیر وشر کے امتزاج سے بنا ہے، دونوں کا سلسلہ چلا آیا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، لیکن ان دنوں شر اتنا غالب اور خیر اتنی مغلوب ہو رہی ہے کہ عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

عالمِ اسلام کی کمزوری کا سبب اور علاج

یہ طاغوتی طاقتیں جو آج ہم پر مسلط ہیں اور عالم اسلام کی نکیل جدھر چاہتی ہیں موڑ دیتی ہیں، یہ صرف اس لیے طاقت ور ہیں کہ ہم کمزور ہیں اور ہم اس لیے کمزور ہیں کہ ہمارا اعتماد خالقِ کائنات کو چھوڑ کر ناکارہ اور کمزور مخلوق پر رہ گیا ہے۔ بخدا! اگر اس قوی ذات سے ہمارا تعلق قوی ہو تو ہم آج بھی امریکہ وروس کا غرور قیصر وکسریٰ کی طرح خاک میں ملا سکتے ہیں، ان کے ایٹم بم اُن کی سائنسی ترقی اور ان کے تمدنی کروفر کی ساری عمارت آج بھی پیوندِ زمین ہو سکتی ہے، مگر اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی خواہشات ترک کر دیں، اس کے احکام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا عہد و پیمان کریں اور اس کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی رضامندی وناراضگی کی پروا نہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے کوئی وصیت لکھ بھیجئے، مگر زیادہ طویل نہ ہو، جواب میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے لکھا:

"سلام عليك! أمابعد: فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من التمس رضى الله بسخط الناس كفا ه الله مؤ نة الناس ومن التمس رضى الناس بسخط الله وكله الله إلى الناس، والسلام." (ترمذی)[1]

۱:.... سنن الترمذی، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی حفظ اللسان، ج:۲، ص:۶۳، ط: فاروقی کتب خانہ، ملتان

''السلام علیکم! اما بعد: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ: جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا مندی ڈھونڈتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے اس کی خود کفایت فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انسانوں کی رضا مندی چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ (اور ان ہی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں)۔''

الغرض اگر مسلمانوں کا ایمان پختہ اور مضبوط ہو، حق تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح ہو، اس کی ذات پر کامل بھروسہ اور یقین ہو، طاغوتی طاقتوں سے بیزار ہو کر وہ اپنے وسائل پر انحصار کریں اور کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں تو حق تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پورا ہوگا، ارشاد ہے:

''وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ.''(۱)

''اور ہمارے ذمہ ہے مومنوں کی مدد کرنا۔''

''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ.''(۲)

''اور تم ہی اونچے رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔''

''وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ.''(۳)

''اور مدد تو صرف اللہ عزیز و حکیم کے پاس سے ملتی ہے۔''

اگر مسلمان ان ارشاداتِ ربانی کو سینے سے لگائیں، فسق و فجور کی متعفن زندگی چھوڑ کر توبہ و انابت کا راستہ اختیار کریں تو حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی اور راحت و سکون اور عزت و سربلندی کی بھی نعمتیں نصیب ہوں گی، جن کا ظہور قرونِ اولیٰ میں ہو چکا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ

۱:.... الروم:۴۷]

۲:.... آل عمران:۱۳۹

۳:.... آل عمران:۱۲۶

ہمارے قلوب کی اصلاح فرمائیں، عالم اسلام کی حفاظت فرمائیں اور اسلام کے تمام بدخواہوں کو ذلیل وخوار کریں۔

مسلمانوں کے زوال کا سبب آپس میں اختلاف

قرآن کریم میں ایک جگہ قہر الٰہی کے نازل ہونے کی تین شکلیں ذکر کی گئی ہیں:

۱:۔آسمانی عذاب، مثلاً پتھر برسنا

۲:۔زمینی عذاب، مثلاً زلزلے آنا اور زمین میں دھنس جانا

۳:۔باہمی گروہ بندی، قتل وقتال اور جنگ وجدال

چنانچہ ارشاد ہے:

’’قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًامِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْكَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ.‘‘ (۱)

’’آپ کہیے! اس پر وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزا چکھا دے، آپ دیکھئے تو سہی! ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جاویں۔‘‘ (بیان القرآن)

احادیثِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اُمت پر پہلی دو قسم کے عام عذاب اس طرح نازل نہیں ہوں گے کہ بعض پہلی اُمتوں کی طرح یہ پوری اُمت نیست ونابود کردی جائے، البتہ تیسری قسم کے عذاب میں یہ اُمت مبتلا ہوگی، چنانچہ آج یہ اُمت بالخصوص ہمارا ملک اس عذاب کی لپیٹ میں ہے۔ طبقاتی منافرت، صوبائی عصبیت، اور لسانی منافست کا دیو پوری قوم کو نگل رہا

۱:..... الانعام:۶۵

ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، افراتفری اور بے اعتمادی کی بدبودار فضا میں دَم گھٹا جا رہا ہے۔

جماعتوں میں اختلاف ایک فتنہ

دراصل عہدِ نبوت سے جتنا بعد ہوتا جائے گا خیر کم ہوتی جائے گی، فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وارضاہ دورِ نبوت اور بعد کے زمانے کا فرق بیان کرتے ہوئے خلافتِ راشدہ کے دور میں فرما رہے ہیں کہ دنیا کی مثال ایسی ہے:

''کالثغب شرب صفوہٗ و بقی کدرہ.''(۱)

''جیسے وہ تالاب جس کا صاف اور نتھرا ہوا پانی پی لیا گیا ہو اور گدلا پانی باقی رہ گیا ہو۔''

یہ جلیل القدر صحابی عہدِ عثمانی میں وفات پا چکے ہیں، اگر وہ جمل وصفین کے ہولناک مناظر دیکھ لیتے تو کیا فرماتے؟ اور خدانخواستہ ہماری حالت زار اُن کے سامنے آتی تو ان کا کیا حال ہوتا؟ رائے اور ذوق کا اختلاف پہلے بزرگوں میں بھی رہا ہے، لیکن بہتان طرازی، افتراء پردازی، سب وشتم اور لعن طعن کا جو طوفان اس دور میں برپا ہے وہ انتہائی دردناک ہے۔ موجودہ صورت حال نے جو شکل اختیار کر لی ہے اس سے نہ کسی کی عزت وحرمت باقی ہے، نہ جان و مال محفوظ ہے، پوری اُمت کے خرمنِ امن وسکوں کو آگ لگا دی گئی ہے، سب جانتے ہیں اور ہمیشہ سے یہ بات مسلَّم چلی آتی ہے کہ بعض دفعہ ایک انتہائی مخلص اور سراپا اخلاص شخصیت کی رائے بھی غلط ہوسکتی ہے، کسی مخلص کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صاحب الرائے بھی ہو، اس کے برعکس بعض دفعہ ایک غیر مخلص کی رائے صحیح بھی ہوسکتی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہماری شریعت نے ''شوریٰ'' کا طریق تجویز کیا تھا کہ جو قدم اُٹھایا جائے اہلِ صلاح اور اہلِ دانش کے مشورہ سے

۱:..... صحیح البخاری، باب عزم الامام علی الناس فیما یطیقون، ج:۴، ص:۵۱، ط:دار طوق النجاۃ

اٹھایا جائے، مگر افسوس ہے کہ خود غرضی اور نفسا نفسی کی کیفیت نے اُمت سے یہ نعمت بھی چھین لی ہے اور اس کے نتیجہ میں پوری اُمت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جماعت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہے اور جماعت کا ہر فرد اپنے کو عقل کل سمجھتا ہے، جس سے آئے دن جماعتیں تقسیم ہو ہو کر جماعت در جماعت کا عمل جاری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فتنوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں یہ دعا بھی فرماتے تھے:

''وإذا أردت بقوم فتنةً فتوفني غير مفتون.''(۱)

''اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر اٹھالینا۔''

فتنوں سے محفوظ رہنے کی دو صورتیں

فتنے سے محفوظ رہ کر دنیا سے رخصت ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں کہ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو فتنہ کے زمانے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھالے۔ دوسری یہ کہ فتنوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی رحمت فرمائے اور اسے فتنہ میں مبتلا کیے بغیر دنیا سے اٹھائے۔

ہمارے دور میں فتنے شروع ہو چکے ہیں (بلکہ ہم سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے) اس لیے پہلی صورت تو نہیں ہوسکتی، البتہ دوسری صورت ممکن ہے کہ آدمی ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جس کے ذریعہ فتنوں سے محفوظ رہ سکے۔

۱:..... سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ ص، ج:۲، ص:۱۵۹، ط: قدیمی۔

اباحیت کا فتنہ

فوٹو اور تصویر کے فتنہ انگیز نتائج

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، قربِ قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اُٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہورہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جارہی ہے۔ایک فتنہ تنہا بذاتِ خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے،مثلاً: فوٹوگرافی کا فتنہ شروع ہوا، یہی کیا کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے، حضرت حق جل شانہٗ کا علم ہر شئے کو محیط ہے،اس کے علم میں ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب وذرائع سے اُبھرے گا،اس بنا پر شریعتِ الٰہیہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی درجہ میں بھی معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی ہو اس کو منع فرمائے۔انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصورِ علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت وحکمت کو محسوس نہیں کرسکتی، انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا؟ لیکن بعد میں واقعات وشواہد سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ شریعتِ الٰہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے،شریعتِ محمدی نے ابتدا ہی سے فرمادیا تھا کہ سخت ترین عذاب قیامت کے دن صورت بنانے والوں کو ہوگا۔

اور کبھی یہ فرمایا کہ:

’’ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو۔‘‘

اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ:

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

اور کہیں یہ فرمایا کہ:

''صورت سازی حق تعالیٰ کی خالقیت کی نقل کرنی ہے۔'' وغیرہ، وغیرہ۔

اسلام دینِ قیم ہے، اس نے کفر وشرک، بدعت وضلالت اور کجراہی وگمراہی کا ایک ایک کانٹا چن چن کر صاف کر دیا، تمام اولادِ آدم کو ایک صاف، سیدھا اور نکھرا ہوا صراطِ مستقیم عطا کیا، جس پر چل کر وہ امن وامان اور راحت وعافیت کی زندگی بسر کر سکے اور مرنے کے بعد قرب ورضا اور جنت ونعیم کی وارث بنے۔

''تِلْكَ الدَّارُ الْاٰ خِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِ يْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ.''(۱)

''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں سرکشی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔''

اسلام نے انسانیت کے اعمال واخلاق کے تزکیہ کے لیے شر وفساد کے تمام راستوں کو مسدود کر دیا۔ شرک جو اسلام کی نظر میں سب سے بڑا ظلم ہے تاریخ شاہد ہے کہ وہ دنیا میں مجسموں، مورتیوں اور تصویروں اور فوٹوؤں کے راستہ سے آیا تھا، اس لیے اسلام نے اس منبعِ کفر وشرک کو حرام اور تصویر سازوں کو ملعون اور بدترین خلق قرار دے کر اس راستہ کو بند کیا۔ صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وصال میں ایک دفعہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے پاس جمع تھیں، کسی تقریب سے ''ماریہ'' نامی کنیسہ (گرجا) کا ذکر چھڑا، حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ ہجرتِ حبشہ کے دوران اس کے حالات معلوم کرنے کا موقع ملا تھا، اس لیے ان دونوں حضرات نے اس

۱:.... القصص: ۸۳

کے حسنِ تعمیر اور وہاں کی آراستہ تصویروں کا تذکرہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن رہے تھے، بسترِ علالت سے سر اٹھایا اور فرمایا:

''أولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا به تلك الصور، أولئك شرار خلق الله.'' (۱)

''ان لوگوں میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنالیتے، پھر ان تصویروں سے اسے آراستہ کرلیتے تھے، یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین قسم کے لوگ ہیں۔''

ایک حدیث میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے میں نے گھر میں ایک طاقچہ پر کپڑے کا پردہ لٹکادیا، جس میں تصویریں بنی تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے اور نہایت نفرت کے لہجہ میں فرمایا:

''يا عائشة! إن أشد الناس عذابًا عند الله يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله.'' (بخاری ومسلم) (۲)

''عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق یہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں رِیس (مقابلہ) کرتے ہیں۔''

۱:.... صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب هل ينبش قبور مشركي الجاهلية، ج:۱، ص:۶۱، ط: قدیمی

۲:.... صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ماوطی من التصاویر، ج:۲، ص:۸۸۰، ط: قدیمی۔ الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورة الحیوان، ج:۲، ص:۲۰۱، ط: قدیمی

صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث میں ہے:

''إن أشد الناس عذابًا يوم القيامة المصورون.''[۱]

''یقیناً سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق قیامت کے دن تصویر ساز ہوں گے۔''

اور صحیحین اور دوسری کتبِ حدیث میں بہت سی احادیثِ صحیحہ مبارکہ موجود ہیں جو جاندار چیزوں کی تصویر سازی کی حرمت اور ملعونیت کو بیان کرتی ہیں اور تمام فقہائے اُمت نے متفقہ طور پر جاندار چیزوں کی تصاویر کو حرام قرار دیا ہے۔

بدقسمتی سے عالَم کی زمامِ قیادت کافی عرصہ سے ناخداشناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے، جن کے یہاں (الا ماشاءاللہ) دین ودیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور شرم وحیا، عفت وعصمت، غیرت وحمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے۔ ان کے نزدیک فکروفن اور دغا وفریب کا نام ''سیاست'' ہے، انسانیت کشی کے اسباب ووسائل کا نام ''ترقی'' ہے، فواحش ومنکرات کا نام ''آرٹ'' ہے، مردوزن کے غیر فطری اختلاط کا نام ''روشن خیالی'' اور ''خوش اخلاقی'' ہے، پردہ دری اور عریانی کا نام ''ثقافت'' ہے اور پس ماندہ ممالک ان کی اندھی تقلید اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لیے آج سارے عالم میں فتنوں کا دوردورہ ہے اور شاید یہ دجال اکبر کے دجالی فتنہ کی تیاری ہورہی ہو۔ خصوصاً عالم اسلام ہر معصیت، ہر فتنہ اور ہر برائی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آئے دن کے ان ہزاروں فتنوں میں ایک ''فوٹو'' کا فتنہ ہے، جہاں دیکھیں فوٹوگرافر موجود ہیں، دعوت وضیافت ہو یا مجلسِ نکاح، اجلاسِ عام ہو یا پرائیویٹ اجتماع، ہر جگہ فوٹوگرافر موجود ہوگا اور کیمرہ سامنے، اس معصیت نے وبائی فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے جس سے بچنا دشوار ہوگیا ہے۔ کوئی بالارادہ بچنا بھی چاہے تب بھی اسے معاف نہیں کیا جاتا، بے خبری میں اس کا فوٹو بھی لے لیا جاتا ہے اور دوسرے دن اخبارات کے صفحات پر دنیا کے سامنے پیش بھی کردیا جاتا ہے۔

۱:..... الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان، ج:۲، ص:۲۰۱، ط: قدیمی۔ مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود، ج:۱، ص:۳۷۵، ط: عالم الکتب، بیروت

آج ان فوٹو گرافروں، کیمرہ بازوں اور اخبار نویسوں کے طفیل عریاں غلاظت کے انبار ہمارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں اور اس سے پورا معاشرہ متأثر بلکہ متعفن ہو رہا ہے، مگر حیف ہے کہ اس پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں۔ ستم یہ کہ اس عمومی اور عالم گیر صورت نے عام طبقہ کے ذہن سے یہ خیال ہی ختم کر دیا ہے کہ یہ بھی کوئی ناجائز کام یا معصیت اور گناہ ہے، کیونکہ برائی کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہو جاتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت وحقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ وہ معیارِ شرافت بن جاتی ہے:

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مزاج

اور اسی کو کج نظر اور غلط پندار لوگ ''انسانی قدروں کی تبدیلی'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان انسان ہے اور اس کی انسانیت باقی ہے تب تک کسی انسانی قدر کے بدل جانے کا تصور ہی غلط ہے۔ ہاں! انسان نما جانور انسان ہی نہ رہیں، کسی اور نوع میں تبدیل ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔

چند دن ہوئے ایک عالم کے یہاں خصوصی دعوت تھی، وہاں دو ایک مشہور شخصیتیں بھی مدعو تھیں اور خصوصی مہمان بھی تشریف فرما تھے، راقم الحروف کو بھی شرکت کی نوبت آئی اور سوء اتفاق سے مجھے ان ہی کے ساتھ بٹھا دیا گیا، یہ تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک عالم کے مکان پر خصوصی دعوت میں فوٹو گرافر کیمرہ لے کر آموجود ہوگا۔ جب فوٹو گرافر سامنے آیا تو راقم الحروف نے سختی سے روکا اور ایک دوسرے عالم نے بھی شدید نکیر فرمائی، اطمینان ہوا کہ فتنہ ٹل گیا، لیکن کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کسی قدر فاصلہ پر دروازہ پر کھڑا دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے ہماری بے خبری اور غفلت سے فائدہ اُٹھا کر اپنا ارادہ پورا کر لیا۔ اگلے دن جنگ کے صفحات پر تین اشخاص کا جن میں ایک راقم الحروف تھا، فوٹو آگیا اور ستم ظریفی یہ کہ نیچے یہ عبارت لکھ دی ''گروپ فوٹو''. إنا لله.

تصویر سازی کی حرمت پر اُمت کا اجماع

حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام اُمت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے، لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس ''فتنۂ اباحیت'' کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا، چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے ''إباحة الصور الفوتوغرافية'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا، جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اس وقت عام علماءِ مصر نے ان کے فتویٰ کی مخالفت کی، حتیٰ کہ ان کے ایک شاگرد رشید علامہ شیخ مصطفی حمامی نے اپنی کتاب ''النهضة الإصلاحية للأسرة الإسلامية'' میں اس پر شدید تنقید کی اور اس کتاب میں ۲۶۰ سے ۲۶۸ پر اور ۳۱۰ سے ۳۲۸ تک اس پر بڑا بلیغ رد لکھا، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں: ''تمام اُمت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے تمام اُمت کے لیے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا۔''

اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے ماہنامہ ''القاسم'' میں (جو دارالعلوم دیوبند کا ماہنامہ تھا) اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا۔ وہ مقالہ حضرت شیخ کی راہنمائی میں مرتب ہوا جسے بعد میں ''التصوير لأحكام التصاوير'' کے نام سے حضرت مفتی صاحب نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید [سلیمان ندوی] صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری سالوں میں - جبکہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ تک پہنچ چکی تھی - جن چند مسائل سے

رجوع فرمالیا تھا ان میں فوٹو کے جواز کے مسئلہ سے بھی رجوع فرمایا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے آزاد صاحبِ قلم نے اگرچہ ذوالقرنین کو سائرس بنا کر اس کے مجسمہ کا فوٹو ''ترجمان القرآن'' میں شائع کیا تھا، لیکن بعد میں اسے ''ترجمان القرآن'' کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کردیا تھا۔

الغرض نہ صرف ہمارے اکابر بلکہ تمام فقہاءِ اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ فوٹو حرام ہے، البتہ پاسپورٹ وغیرہ ضروریات کے لیے نصف چھوٹے فوٹو کو اس سے مستثنیٰ کرنا ہوگا، اس کا گناہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جن کی طرف سے یہ مجبوریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس لیے یہ واضح رہے کہ میرا مسلک یہی ہے کہ فوٹو بلا ان خاص ضرورتوں کے ناجائز اور حرام ہے۔ اگر میری بے خبری میں چالاکی سے کسی نے فوٹو لے لیا تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے، اگرچہ اس ملعون فن سے اسلامی معاشرہ میں نفرت عام نہیں رہی، ناواقف عوام اسے معمولی اور ہلکی چیز سمجھنے لگے ہیں اور کچھ لوگ تو اس کے جواز کے لیے بھی حیلے بہانے تراشنے لگے ہیں، لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی معصیت کے عام ہونے یا عوام میں رائج ہونے سے وہ معصیت ختم نہیں ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو جب حرام قرار دے دیا تو اس کے بعد خواہ سو بہانے کیے جائیں، مگر اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل سود، بیمہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں جنہیں مغربی تہذیب وتمدن کی بددینی نے جنم دیا ہے ہمارے جدید تمدن میں گھس آئی ہیں اور اب پوری طرح ان کا رواج ہے، لیکن کون مسلمان ہوگا جو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ یہ سب جائز ہیں؟ ہاں! یہ ممکن ہے کہ گناہ میں عموم بلویٰ کی وجہ سے آخرت کی سزا میں کچھ تھوڑی بہت تخفیف ہوجائے، اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، قربِ قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اُٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہورہی ہے اور اعمالِ صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جارہی ہے، ایک فتنہ تنہا بذاتِ خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے، مثلاً: فوٹو گرافی کا فتنہ شروع ہوا، یہی کیا کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے پیدا ہوئے۔ حضرت حق جل شانہٗ کا علم ہر شئے کو محیط

ہے، اس کے علم میں ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب وذرائع سے اُبھرے گا، اس بنا پر شریعتِ الٰہیہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی درجہ میں بھی معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی ہو اس کو منع فرمائے۔ انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصورِ علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت وحکمت کو محسوس نہیں کرسکتی، انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا؟ لیکن بعد میں واقعات وشواہد سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ شریعتِ الٰہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے، شریعتِ محمدیہ نے ابتدا ہی سے فرمادیا تھا:

"أشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون." (۱)

یعنی "سخت ترین عذاب قیامت کے دن صورت بنانے والوں کو ہوگا۔"

اور کبھی یہ فرمایا کہ: "ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو۔"

اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ: "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔" اور کہیں یہ فرمایا کہ: "صورت سازی حق تعالیٰ کی خالقیت کی نقل کرنی ہے۔" وغیرہ، وغیرہ۔

تصویر کے معاملہ میں شریعتِ محمدیہ کی سختی کی وجہ

تصویر کے معاملہ میں اس شدت کی بنیاد درحقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام کا بنیادی عقیدہ "توحید" ہے، یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کا بدل وجان اقرار کرنا، خواہ توحید ذاتِ الٰہی کی ہو یا توحید صفاتِ الٰہی کی ہو یا توحید افعالِ الٰہی کی ہو، اسلام میں کسی قسم کا شرک قابلِ برداشت نہیں۔ اس لیے ابتدا ہی سے شریعت نے تمام اسبابِ شرک پر جن میں تصویر بھی شامل ہے، شدید پابندی لگادی، اسی لیے میں نے کہا کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہ تھا، لیکن اس وقت جب کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ یہ اعلان کرایا تھا اور یہ احکام نازل فرمائے تھے، خیال بھی نہیں گزرسکتا تھا کہ آئندہ چل کر یہ فتنہ کتنے عظیم الشان فتنوں کا ذریعہ بنے گا۔

۱:..... الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورة الحیوان، ج:۲، ص:۲۰۱، ط: قدیمی

تصویر اور اس کے گندے اور فتنہ انگیز نتائج

آج اسی مصوری کی وجہ سے حسن و جمال کی نمائش ہوتی ہے اور اسی تصویر سازی کی وجہ سے بے حیا قوموں کی عورتوں کے عریاں فوٹو، بداخلاقی، بداطواری اور خدا فراموش زندگی کا ذریعہ بن چکے ہیں، یہی لعنت شہوانی وحیوانی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے، اسی لعنت کی وجہ سے کتنے معصوموں کا خون بہہ رہا ہے اور کتنی جانیں تلف ہورہی ہیں اور خودکشی کی کتنی وارداتیں ہورہی ہیں۔ تھیٹر اور سینما کے پردوں پر اسی مصوری کی وجہ سے بے حیائی کے مظاہر اور روح فرسا مناظر سامنے آرہے ہیں، اسی فتنہ کی وجہ سے نہ کسی کی آبرو محفوظ ہے، نہ تہمت تراشی سے کوئی بچ سکتا ہے، کسی کا سر اور کسی کا دھڑ لے کر جو چاہے کرشمہ سازی دکھلائے۔ کسی کو بدنام کرنا ہو اس کے بالائی بدن کی صورت لے کر کسی طوائف کے عریاں فوٹو میں پیوند لگا کر جو چاہے کر لیجئے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ایک بڑے قوی اسلامی مملکت کی تباہی و بربادی اور اس کے حکمراں کی جلاوطنی میں یہی فتنہ ایک مؤثر عامل ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کی عریاں تصویروں کے ذریعہ ملک میں ان کی بداخلاقی و بے حیائی و بے دینی کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بدنامی کی انتہا کردی گئی اور آخر تخت و تاج سے محرومی کا باعث بنا۔ افسوس کہ واقعہ کی پوری تفصیل سے معذور ہوں۔ الغرض اس فتنے کے کرشموں سے نہ دین محفوظ ہے، نہ اخلاق، نہ کسی کی جان محفوظ ہے، نہ کسی کا ایمان، نہ آبرو محفوظ ہے، نہ کسی کی عصمت، فواحش ومنکرات کی اشاعت میں مصوری کا اتنا بڑا دخل ہے کہ اسی کی وجہ سے تقویٰ وطہارت و پاکیزہ زندگی کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن آج کل کی اصطلاح میں یہ ثقافت اور آرٹ ہے اور غضب یہ کہ اس کو ''اسلامی آرٹ'' کا نام دیا جاتا ہے:

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

کسی معاشرہ میں بے حیائی کا سر اُٹھانا اس کے دلوں سے اسلامی روح نکلنے کی علامت ہے۔

تھیٹر وسینما اور یہ فلمیں جن سے آج معاشرہ ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہے۔ یہ تمام

اسی مصوری کی بدولت ہے اور یہ فتنہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ مسجدیں جو خالص عبادت گاہیں ہیں، وہ بھی اس سے محفوظ نہیں۔ نکاح کی محفلوں سے مقاماتِ مقدسہ تک ہر جگہ یہ فتنہ پہنچ گیا ہے۔ بعض وہ حکومتیں جو اسلامی قانون جاری کرنے کی مدعی ہیں اور وہ جن کا دعویٰ اتباعِ سنت ہے، ان کے ہاں یہ فتنہ اس قدر شباب پر ہے اور آب وتاب سے ہے کہ الأمان والحفیظ۔ بہرحال یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہو گیا ہے کہ نہ مسجد بچی، نہ مدرسہ، نہ اسلامی ملک بچا، نہ صالح مسلمان بچے۔

دینی اور ایمانی غیرت

غالباً مارچ ۱۹۷۰ء میں راقم الحروف پاکستانی مندوب کی حیثیت سے "**مجمع البحوث الإسلامیة**" کی پانچویں کانفرنس میں شرکت کے لیے قاہرہ گیا تھا، کانفرنس کے اختتام پر سابق صدر جمال عبدالناصر مرحوم نے گورنمنٹ ہاؤس میں مندوبین کو ملاقات کی دعوت دی۔ جس شاہانہ کروفر کا مظاہرہ ہوا اور جو بظاہر مصری حکومت کا خصوصی امتیاز ہے یہاں اس کا ذکر مقصود نہیں۔ ترتیب کے مطابق ہر شخص ملاقات کے لیے جاتا، مصافحہ کرتا اور اسے کچھ کہنے کی خواہش ہوتی تو دو چار باتیں بھی کر لیتا، ملاقات اور مصافحہ کے بعد صدر مرحوم نے مندوبین کے اعزاز کے لیے فوٹو گرافروں کو حکم دیا کہ ہر مندوب کا ان کے ساتھ الگ الگ فوٹو لیا جائے۔

آج کل جلسوں، کانفرنسوں اور عام اجتماعات میں فوٹو اُتارنے کا مرض وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے، یہ فتنہ اتنا عام ہو گیا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بچنا چاہے نہیں بچ سکتا، پھر یہ معصیت اتنی پھیل گئی ہے کہ لوگ اسے گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ دورِ فتنہ نے معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا ڈالا، گناہوں کی گندگی سے قلب وذہن مسخ ہو گئے اور کتنے ہی گناہ معاشرے میں ایسے رچ بس گئے کہ لوگوں کے دلوں سے گناہ کا تصور وادراک ہی ختم ہو گیا۔

خیر! عرض یہ کرنا ہے کہ صدر مرحوم کی طرف سے جب اس خواہش کی تکمیل کا اظہار ہوا تو اس عزت افزائی پر عام مندوبین خصوصاً عرب مندوبین کو بڑی خوشی ہوئی کہ جمال عبدالناصر کے ساتھ ہمارا یادگار فوٹو لیا جائے گا۔ ہر ایک نے باری باری صدر کی بائیں جانب کھڑے ہو کر

فوٹو کھنچوائے۔ میں کوئی اتنا صالح و متقی اور پارسا نہیں ہوں کہ ایسے مواقع میں بھی ان معصیتوں سے بچ سکوں، چنانچہ عام مجمعوں میں بہر حال فوٹو گرافر فوٹو لیتے رہتے تھے، لیکن صدر کے ساتھ خصوصی فوٹو اُتروانے کے لیے میری باری آنے لگی تو صف سے نکل کر اندر جا کر کرسی پر بیٹھ گیا، اتفاق سے صدر میرے سامنے تھے اور مجھے خوب دیکھ رہے تھے، جب میری باری آئی تو صدر نے دو داڑھی علماء سے جو اس وقت ان کے سامنے تھے کہا کہ جاؤ اور پاکستانی شیخ (عالم) کو بلاؤ کہ وہ آکر فوٹو کھنچوائے، الحمد للہ! اس وقت میری دینی غیرت جوش میں آئی، دل نے کہا: آج اپنے اکابر کے مسلک پر جمے رہو اور اس اعزاز کو ٹھکرا دو، آج اس حدیثِ نبوی پر عمل کرنا ضروری ہے:

”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، إنما الطاعة في معروف.“ (بخاری) (۱)

یعنی ”معصیت میں کسی امیر کی اطاعت جائز نہیں، امیر کی اطاعت بس جائز اُمور میں ہے۔“

جب ان دونوں حضرات نے مجھ سے کہا:

”سيادة الرئيس يدعوك لأخذ الصورة معه.“

”جنابِ صدر آپ کو اپنے ساتھ فوٹو بنوانے کے لیے بلاتے ہیں۔“

میں نے کہا:

”لا أحب ذلك وليست للصورة عندي قيمة دينية فلا أحبها.“

”میں اسے درست نہیں سمجھتا، نہ میرے نزدیک اس کی کوئی دینی قدر و قیمت ہے۔“

وہ دونوں گئے اور صدر سے میرا عذر بیان کر دیا، ان کے الفاظ میں نہیں سن سکا کہ میری ترجمانی انہوں نے کس انداز میں کی، رخصت ہوتے ہوئے دوبارہ مصافحہ کا دستور نہیں تھا، لیکن

۱: ..... صحیح البخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد، ج:۲، ص:۱۰۷۸، ط: قدیمی

میں عملی معذرت کے بجائے رخصت ہونے کے لیے دوبارہ صدر کے پاس گیا اور جی میں آئی کہ آج موقع ملا ہے، پھر خدا جانے موقع ملے گا یا نہیں، اس لیے آج ان سے کلمۂ خیر کہہ دینا چاہیے، چنانچہ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے صدر سے کہا:

”جناب صدر! اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے میں بڑا قوی دل رکھا ہے اور یہ ایک بڑی نعمت ہے جو آپ کو عنایت ہوئی، میری آرزو اور خواہش یہ ہے کہ اس قوی دل کا قوی تعلق اس قوی ذات سے ہونا چاہیے، جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام قوتیں جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔“

میرے عربی الفاظ یہ تھے:

” سيادة الرئيس! إن الله سبحانه وتعالىٰ قد منحك قلباً قوياً بين حنايا ضلوعك، فأرجو أن يكون لهٰذا القلب القوي رابطة قوية مع الخالق القوي الذي بيده ملكوت كل شيء.“

صدر نے مسکراتے ہوئے میرا جملہ غور سے سنا اور قدرے زور سے مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھ کو ذرا جھٹکا دیا، جیسا کہ خوشی کے موقع پر ایسا کیا جاتا ہے۔ یہ صدر مرحوم سے میری آخری ملاقات تھی جو اس نصیحت پر ختم ہوئی۔

تصویر سازی اور اسلام

کون نہیں جانتا کہ اسلام کی نظر میں تصویر سازی نہ صرف قبیح اور حرام ہے، بلکہ لعنت اور غضب خداوندی کی مستوجب ہے۔ تصویر بنانے والے کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”المصورون أشد الناس عذابا يوم القيامة. “ (۱)

یعنی ”وہ قیامت کے دن سب سے سخت تر اور بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔“

۱:..... الصحیح لمسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان، ج:۲، ص:۲۰۱، ط: قدیمی

جس مکان میں تصویریں ہوں، اس پر خدا کی لعنت آئی ہے، فرشتوں کو تصویروں سے بھی اسی طرح نفرت آئی ہے، جس طرح کتے سے نفرت ہے، کیا ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے کسی فلم کو جائز کہا جاسکتا ہے؟ کیا فلموں کی ترویج وتشہیر پوری قوم پر خدا کے غضب ولعنت کو دعوت دینے کے مترادف نہیں؟

انبیاء اور پیغمبر کی تصاویر اور فلم

پھر اسی سے بڑھ کر جسارت کیا ہوسکتی ہے کہ عہدِ نبوت اور عہدِ اسلام کی پاک اور روحانی زندگیوں کو تصویروں کے ذریعہ فلمایا جائے؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت قرار دیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ دور کو اس لعنت میں ملوث کیا جائے؟ کیا اللہ ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نزدیک یہ ناپاک جسارت قابلِ برداشت ہوسکتی ہے؟ کیا مسلمانوں میں اتنی ایمانی حس بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کم ازکم نبوت کے پاکیزہ دور کو اس نجاست سے محفوظ رکھتے؟

مزید برآں یہ کہ یہاں صورت یہ نہیں کہ جو واقعات پیش آئے ہو بہو انہی کا عکس لے لیا گیا ہو، بلکہ یہاں جو صحیح صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ دورِ نبوت کے واقعات کا مصنوعی سوانگ بنایا گیا ہے۔ کچھ بہروپیوں نے خاکم بدہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پارٹ ادا کیا، کسی نے صحابہؓ وصحابیاتؓ کے مقدس اشخاص کا، کسی نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا۔ پھر ان مصنوعی ڈراموں کی عکس بندی کرکے فلم تیار کی گئی اور اسے پردۂ اسکرین پر لایا گیا، اب اگر کسی مسلمان میں ایمان کی کوئی رمق اور غیرت کی ادنیٰ حس موجود ہو، کیا وہ ایک لمحہ کے لیے برداشت کرے گا کہ وہ لوگ جن کا وجود ہی گندگی اور بے حیائی کا نشان ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہؓ وصحابیاتؓ کی شبیہ بنا کر پیش کیا جائے اور ان کے ادا کردہ پارٹ کو ان مقدس ہستیوں سے منسوب کیا جائے؟ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی تذلیل وتوہین

کیا ہوسکتی ہے؟ پھر جن لوگوں نے ابوجہل وابولہب وغیرہ کافروں کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کی کافرانہ حرکات کی نقل کی ہوگی اور صحابہؓ وصحابیاتؓ کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہوگا کیا وہ مسلمان بھی رہیں گے؟ اور ان کے وہ تماشائی جو اس تماشۂ کفر کو تفریحِ طبع کا سامان کرتے ہیں ان کا اسلام محفوظ رہ جائے گا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان ڈراموں میں بہت سی حرکات وسکنات اور بہت سے الفاظ وکلمات ایسے آئیں گے جن کو حقیقت کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہوگا، اس صورت میں ان مصنوعی واقعات کو حقیقی قرار دینا بدترین قسم کا جھوٹ اور افتراء ہوگا، جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.“[۱]

”جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنائے۔“

امریکی اور مغربی اخبارات ورسائل میں جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصاویر شائع ہوتی ہیں، آئے دن ہمارے اخبارات میں ان پر احتجاج ہوتا رہا ہے اور مسلمانوں میں ایک کہرام مچ جاتا ہے، کیا اس قسم کی فلموں کے بعد مسلمانوں میں یہ حمیت باقی رہے گی کہ وہ اعدائے اسلام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں؟ جب مسلمان خود دورِ نبوت کی فلمیں بنانے سے نہیں شرماتے تو وہ کس منہ سے غیروں کو روکنے کی جرأت کریں گے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ بعد اعدائے اسلام نہ صرف ان مقدس ہستیوں کی فرضی تصویریں کھلے بندوں شائع کرنے لگیں گے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر محض فرضی فلمیں وجود میں آنا شروع ہوں گی اور جس طرح اب تک مستشرقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی جسارت کرتے رہے ہیں، آئندہ نہایت گھناؤنے انداز میں آپ کو پردۂ فلم پر دکھایا جائے گا اور یہ نام نہاد مسلمان جنہوں نے خود اس بدعت کو جنم دیا ان کفار کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب تک

۱:..... صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ، ج:۱، ص:۲۱، ط: قدیمی

کافر قومیں صرف مسلمانوں کے احترام میں اس سے ہچکچاتی رہی ہیں، مسلمانوں کو شرم آنی چاہیے کہ جو کام کافر قومیں سرانجام نہیں دے سکیں، اس مکروہ اور گندے کام کا آغاز خود ان کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ کیا لہو ولعب اور تفریح و تماشے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہؓ کی ذات گرامی ہی رہ گئی تھی؟ کیا کوئی دیوث اور بے غیرت شخص بھی یہ گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے ماں باپ اور بہو بیٹیوں کا سوانگ بھرا جائے اور لوگ اس کا تماشہ دیکھیں؟ پھر آخر اس مشق ستم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وصحابیاتؓ کی ذواتِ قدسیہ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ کیا ان کا احترام ہماری ماؤں اور بہنوں سے بھی کم ہے؟ منافقین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتا کر ہنسی مذاق کیا کرتے تھے اور ان سے جب احتجاج کیا جاتا تو جواب دیتے کہ ہم تو یوں ہی دل لگی اور تفریح کر رہے تھے، قرآن کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

”لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَا نِكُمْ.“ (۱)

”بہانے نہ بناؤ، تم نے دعوائے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔“

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا اسلام کی کسی بات کو ہنسی، دل لگی اور تفریحِ طبع کا موضوع بنانا کیسا ہے؟ اس کو وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جس کا دل دین وایمان سے خالی ہو چکا ہو۔

ان گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اول:......اسلام میں تصویر سازی حرام اور موجبِ لعنت ہے۔

دوم:......اس حرام اور ملعون چیز سے دورِ نبوت کو ملوث کرنا نہایت ناپاک جسارت اور ان بزرگوں کی توہین ہے۔

۱:...... التوبۃ:٦٦

سوم:......واقعات کے بہت سے اجزاء ومکالمات فرضی ہوں گے جو کذب وافتراء علی الرسول ہے۔

چہارم:...... ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا پارٹ ادا کرنا شرمناک بات ہے۔

پنجم:......حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگی کو لہو ولعب اور تفریح کا موضوع بنانا شعبۂ کفر ہے۔

ششم:......ایسی فلموں سے غیر مسلموں کے لیے فرضی تصاویر اور من گھڑت واقعات پر مبنی فلمیں بنا کر دورِ نبوت کی جانب منسوب کرنے کا دروازہ کھل جائے گا، جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔

اگر یہود ونصاریٰ اور منافقینِ اسلام کی ان مکروہ سازشوں سے اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ قلوب مسخ ہوچکے ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسوا کن عذاب در عذاب میں یہ قوم مبتلا ہونے والی ہے، إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.

فتنوں سے حفاظت کا مختصر دستور العمل

بہت سے مخلصین کے خطوط آ رہے ہیں کہ ہمیں فتنوں کی اس موجودہ فضا میں کیا کرنا چاہیے؟! اس لیے فتنوں سے حفاظت کا ایک مختصر دستور العمل عرض کیا جاتا ہے:

اول: شورائیت:

کسی بھی قسم کا دینی، دنیاوی یا سیاسی قدم اٹھائیں تو اہلِ خیر وصلاح اور اہلِ دانش وخرد سے مشورہ کیے بغیر نہ اُٹھائیں اور اہلِ شوریٰ میں سے ہر شخص نہایت اخلاص کے ساتھ فی ما بینہٗ وبین اللہ اپنا مشورہ دے، اپنی بات منوانے کی فکر نہ کرے، نہ اپنی رائے پر خواہ مخواہ کا اصرار کرے، اگر صحیح اسلامی شوریٰ پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ! بہت سی گمراہیوں اور فتنوں کا سدِ باب ہوسکتا ہے، ان سب میں بڑا فتنہ عُجب اور اعجاب بالرائے کا ہے۔ الغرض مخلصین کے لیے لازم ہے کہ اپنی رائے پر اصرار نہ کریں، بلکہ اپنی رائے کو متہم سمجھیں، مبادا اس میں نفس وشیطان کا کوئی خفی کید چھپا ہوا ہو۔

دوم: اعتدال پسندی

اگر پوری کوشش کے باوجود سب کی رائے متفق نہ ہوسکے اور اہلِ حق کی دو جماعتیں وجود میں آ ہی جائیں تو ہر جماعت اپنے کو قطعی حق پر اور دوسرے کو قطعی باطل پر نہ سمجھے، زیادہ سے زیادہ جس بات کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے موقف کو ''صواب محتملِ خطاء'' اور دوسرے کے موقف کو ''خطاء محتملِ صواب'' سمجھے اور دونوں طرف سے برابر یہ خواہش رہنی چاہیے اور کوشش

بھی کہ تمام اہلِ حق ایک کلمہ پر متفق ہو جائیں۔

سوم: حکایات وشکایات سے احتراز

آج کل پروپیگنڈے کا دور ہے، پروپیگنڈے کے کرشمہ سے رائی کو پربت اور تنکے کو شہتیر بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ غلط افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیلا کر ایک دوسرے کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جو شخص اس فتنہ سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ جب تک کسی حکایت وشکایت کے صحیح ہونے کا پورا وثوق نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر کان نہ دھرے، نہ اس پر کوئی کارروائی کرے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ سے لوگوں نے شکایت کی کہ ابن ملجم آپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا ہے اور قتل کی دھمکیاں دیتا ہے، آپ اسے قتل کرا دیجئے۔ فرمایا:

''کیا میں اپنے قاتل کو قتل کر دوں؟''

اسی طرح اس قسم کی حکایات وشکایات کو نقل کرنا بھی اُمت کو فتنے میں ڈالنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اسی قسم کے فتنوں کے بارے میں ہدایت فرمائی تھی:

''ستكون فتن، القاعد فيها خير من القائم، والقائم فيها خير من الماشي، والماشي فيها خير من الساعي.''(۱)

''بہت سے فتنے ہوں گے، ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔''

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

''النائم فيها خيرمن اليقظان واليقظان فيها خير من القائم.''(۲)

''جو اُن میں سو رہا ہوگا وہ جاگنے والے سے بہتر ہوگا اور جو جاگ رہا ہوگا وہ

۱:.... صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم تکون فتنۃ القاعد فیھا خیر من القائم، ج:۲،ص:۱۰۴۸، ط: قدیمی

۲:.... الصحیح لمسلم، کتاب الفتن، باب اشراط الساعۃ، ج:۲،ص:۳۸۹، ط: قدیمی

اُٹھنے والے سے بہتر ہوگا۔‘‘

ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیے کہ میرے کسی قول وعمل سے اُمت کے درمیان افتراق کی خلیج وسیع نہ ہو، نیز اہلِ حق کو اس بات سے چوکنا رہنا چاہیے کہ اہلِ باطل ان کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر اپنا اُلو سیدھا نہ کرسکیں، جب اہلِ حق آپس ہی میں لڑنے لگتے ہیں تو اہلِ باطل کے لیے میدان صاف ہوجاتا ہے، اس لیے اہلِ حق کو اہلِ باطل کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بننا چاہیے کہ جوش میں اپنوں ہی کو بدنام کرنے لگیں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مرض یہی ہے کہ اپنوں سے بدگمانی رکھیں گے اور حق کے نام پر اہلِ حق سے لڑیں گے، لیکن اہلِ باطل کے ساتھ مسامحت اور رواداری برتی جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔

چہارم: اکرام واحترامِ مسلم

ایک مسلمان اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اکرام واحترام کا مستحق ہے اور ہماری باہمی رنجشوں سے اس کے احترام کا حکم منسوخ نہیں ہوجاتا، سنن ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

’’إن من إجلال الله تعالىٰ إكرام ذي الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالي فيه والجافي عنه وإكرام السلطان المقسط.‘‘(۱)

’’تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں داخل ہیں: سفید ریش مسلمان کی عزت کرنا، حاملِ قرآن کی عزت کرنا، جو نہ قرآن میں غلو کرے، نہ بے پروائی کرے اور عادل حاکم کی عزت کرنا۔‘‘

بہرحال اختلاف کی بنا پر کسی بھی مسلمان کی ہتکِ عزت جائز نہیں اور خاص طور پر علمائے دین کی بے حرمتی کرنا تو بہت ہی بری بات ہے، کوئی مخلص عالمِ دین ایک رائے رکھتا ہو تو اس پر سب وشتم کرنا، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام کا نہایت خطرہ ہے، ایسا شخص مخذول

۱:..... سنن ابی داود، کتاب الآداب، باب فی تنزیل الناس منازلھم، ج:۲، ص:۶۶۵، ط: حقانیہ پشاور

اور بے توفیق ہوجاتا ہے اور ایمان کی سلامتی مشکل ہوجاتی ہے۔

پنجم: استخارہ کرنا

دورِ حاضر میں اُمت کا شیرازہ جس بری طرح بکھر گیا ہے، مستقبل قریب میں اس کی شیرازہ بندی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، جب استشارے کا راستہ بند ہوگیا تو اب صرف استخارہ کا راستہ ہی باقی رہ گیا ہے، حدیث شریف میں تو فرمایا تھا:

''ماخاب من استخار و ماندم من استشار.''(۱)

''جو استخارہ کرے گا خائب وخاسر نہ ہوگا اور جو مشورہ کرے گا پشیمان نہ ہوگا۔''

عوام کے لیے یہی دستور العمل ہے کہ اگر کوئی ان فتنوں میں غیر جانبدار نہیں رہ سکتا ہے تو مسنون استخارہ کر کے عمل کرے اور اُمید ہے کہ استخارہ کے بعد اس کا قدم صحیح ہوگا۔ مسنون استخارہ کا مطلب یہی ہے کہ انسان جب کسی امر میں متحیر اور متردّد ہوتا ہے اور کوئی واضح وصاف پہلو نظر نہیں آتا، اس کا علم رہنمائی سے قاصر رہتا اور اس کی طاقت بہتر کام کرنے سے عاجز تو حق تعالیٰ کی بارگاہِ رحمت والطاف میں التجاء کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے دعا، توکل، تفویض اور تسلیم ورضا بالقضاء کے راستوں سے کرتا ہے کہ وہ اس کی دستگیری اور رہنمائی فرمائے، بہتر صورت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

استخارہ کی حقیقت

جن مخلصین واحباب کے خطوط آرہے ہیں، ان سب کے لیے یہ لائحہ عمل پیش کیا جارہا ہے کہ مسنون استخارہ پر عمل کریں، نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں استخارہ مسنونہ کی ترکیب بھی لکھ دی جائے اور دعا بھی لکھ دی جائے۔ درحقیقت استخارہ مشکاۃِ نبوت کی ایک روشنی ہے جو اُمت کو دکھلائی گئی ہے اور اُمت کے ہر پریشان حال انسان کی قیامت تک کے لیے رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ یہ پیغمبرانہ تربیت ہے جس کی برکات قیامت تک جاری رہیں گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ

۱:..... المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۶۶۲۷، ج:۶، ص: ۳۶۵، ط: دار الحرمین قاھرۃ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو اس طرح استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورتیں بچوں کو یاد کرائی جاتی ہیں اور تعلیم دی جاتی ہیں۔ بزرگانِ دین کے تجربوں میں بہت سی صورتیں استخارہ کی آئی ہیں اور ان کے ذریعے انسان کی رہنمائی بھی ہوجاتی ہے، لیکن ہادیِ اُمت، خاتم النبیین، رحمۃٌ للعالمین، اعلم الاولین والآخرین کے سینۂ نبوت سے جو چیز نکلی ہو اس کی خیر و برکت کا کیا کہنا!!!

استخارہ کا مقصد

واضح ہو کہ استخارۂ مسنونہ کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ذمے جو کام تھا وہ اس نے کرلیا اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ کے حوالے کردیا، گویا استخارہ کرنے سے بندہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی انسان کسی تجربہ کار عاقل اور شریف شخص سے مشورہ کرنے جاتا ہے، وہ شخص صحیح مشورہ ہی دیتا ہے اور اپنی مقدور کے مطابق اس کی اعانت بھی کرتا ہے۔ گویا استخارہ کیا ہے! حق تعالیٰ سے مشورہ لینا ہے، اپنی درخواست استخارہ کی شکل میں پیش کردی، حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون رحیم و کریم ہے؟ اس کا کرم بے نظیر ہے، علم کامل ہے اور قدرت بے عدیل ہے۔ اب جو صورت انسان کے حق میں مفید ہوگی حق تعالیٰ اس کی توفیق دے گا، اس کی رہنمائی فرمائے گا، پھر نہ سوچنے کی ضرورت، نہ خواب میں نظر آنے کی حاجت۔ جو اس کے حق میں خیر ہوگا وہی ہوگا، چاہے اس کے علم میں اس کی بھلائی آئے یا نہ آئے، اطمینان وسکون فی الحال حاصل ہو یا نہ ہو، ہوگا وہی جو خیر ہوگا۔ یہ ہے استخارہ مسنونہ کا مطلوب۔ اسی لیے تمام اُمت کے لیے تاقیامت یہ دستور العمل چھوڑا گیا ہے اور اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ:

”من سعادة ابن آدم استخارته من الله و من شقاوته ترك الاستخارة.“ (۱)

”انسان کی سعادت و نیک بختی یہ ہے کہ اپنے کاموں میں استخارہ کرے

۱:..... مجمع الزوائد، باب الاستخارة، ج:۲، ص:۳۳۰، ط: دارالفکر، بیروت۔ مشکوۃ، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، الفصل الثانی، ص:۴۵۳، ط: قدیمی

اور بدنصیبی یہ ہے کہ استخارہ کو چھوڑ بیٹھے۔‘‘

استخارہ کی دعا

اب استخارہ کی دعا ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے:

’’اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَاأَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰھُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَ يَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِيْ بِهٖ .‘‘

’’یا اللہ! میں آپ سے خیر چاہتا ہوں، بوجہ آپ کے علم کے، اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ سے بوجہ آپ کی قدرت کے، اور مانگتا ہوں میں آپ سے آپ کے بڑے فضل میں سے، کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں اور آپ عالم ہیں اور میں عالم نہیں اور آپ علام الغیوب ہیں۔ یا اللہ! اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام بہتر ہے میرے لیے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو تجویز کر دیجئے اور آسان کر دیجئے اس کو میرے لیے، پھر برکت دیجئے میرے لیے اس میں اور اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام برا ہے میرے لیے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں، تو ہٹا دیجئے اس کو مجھ سے اور ہٹا دیجئے مجھ کو اس سے اور نصیب کر دیجئے مجھے بھلائی جہاں کہیں بھی ہو، پھر راضی رکھئے مجھ کو اس پر۔‘‘

فتنوں کا اصل علاج قرآن کریم

قرآن کریم حق تعالیٰ شانہٗ کی وہ آخری اور عظیم ترین نعمت ہے جو اس دنیا کو دی گئی ہے، قرآن کریم ہی وہ قانونِ الٰہی ہے جو انسانوں کو اعلیٰ ترین سطح پر پہنچانے کا ضامن ہے اور جو قوموں کی سربلندی اور حکومتوں کی عزت ومجد کا بہترین ذریعہ ہے۔ دورِ حاضر کے جتنے بھی فتنے ہیں اُن سب کا واحد علاج قرآنی دستور ہے۔ اسلامی ممالک میں آج کل جو فتنے رونما ہو رہے ہیں، ان کا اصلی سبب قرآن کریم کی تعلیمات سے انحراف واعراض ہے:

”نَسُوْا اللّٰہَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ.“ (۱)

”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بھلا دیا، یہی لوگ ہیں نافرمان۔“

شام ہو یا مصر، انڈونیشیا ہو یا افریقہ، ان سب میں روز روز کے انقلابات اور بے چینی اور اضطراب کا اصلی سبب یہی ہے، کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں، جن میں روس وامریکہ کی ریشہ دوانیاں سرفہرست ہیں، لیکن ان اسباب میں کوئی تزاحم وتعارض نہیں، ظاہر بین ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں اور حقائق بین نگاہیں باطن تک پہنچی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں سورۂ حشر کے آخری رکوع میں یہ مضمون بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ سورۂ حشر جس میں یہود کی تباہی وبربادی کی داستان اور ان کا حشر یہ سب کچھ نعمت قرآن کی ناشکری اور اس عظیم نظام قرآنی سے انکار

۱:..... الحشر:۱۹

وجحود کا نتیجہ تھا۔ الغرض سورۂ حشر کا محور بھی قرآنی دعوت ہے اور یہود کی عبرت انگیز تاریخی داستان پیش کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن کریم پر عمل نہ کرنے کا انجام کار آخر کیا ہوتا ہے، اس لیے ابتداء سورت میں حق تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کا بیان ہے اور انتہاء میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال وجمال وجلال کا ذکر ہے، تاکہ دعویٰ ودلیل دونوں کا ساتھ ہی ساتھ ذکر ہو:

''كِتٰبٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ.''(۱)

''ایک کتاب ہے جو اُتاری ہم نے تیری طرف برکت کی، تاکہ لوگ اس میں تدبر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

لفظ ومعنی وحروف ونقوش سب ہی بابرکت ہیں، جن کی تفصیلات احادیث میں ہیں۔ ''تدبر'' عمل کرنا ہے، علمی درجہ میں حکیمانہ حقائق پر غور کرنا ہے، ''تذکرۂ اُولی الألباب'' عملی قانون بنانا ہے اور جب تک اسلامی ممالک کا قانون قرآن کریم رہا، سارے عالم پر ان کا جھنڈا لہراتا رہا اور ایک ہزار برس تک ان کا سکہ چلتا رہا، آخر بے عملی وبدعملی کے نتائج سامنے آ گئے۔

''جامع ترمذی'' اور ''مسند دارمی'' میں بروایت حارث الأعور حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث میں ان سب حقائق کا بیان موجود ہے، حدیث کا یہ جملہ انتہائی قابلِ غور ہے:

''من تركه من جبار قصمه الله.'' (۲)

یعنی ''اگر کوئی طاقتور حکمران بھی اس قانونِ الٰہی کو ترک کرے گا تو اللہ اس کو ریزہ ریزہ کردے گا۔''

باہمی اختلاف کا فتنہ

صحیح بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

۱:.... ص:۲۹

۲:.... سنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن، ج:۲،ص:۱۱۸، ط:قدیمی۔ سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، ج:۲،ص:۵۲۶، ط:دار الکتاب العربی بیروت

’’قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ.‘‘(۱)

’’تو کہہ اس کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے (جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش) یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (جیسے زلزلہ اور سیلاب وغیرہ) یا بھڑادے تم کو مختلف فرقے کرکے اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی۔‘‘ (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

جس میں تین قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے: آسمانی عذاب، زمین کا عذاب اور باہمی اختلاف کا عذاب، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی، پھر دوسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا کی اور وہ بھی قبول ہوئی، جب تیسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی تو قبول نہیں ہوئی۔(۲)

جس سے معلوم ہوا کہ اس اُمت کا عذاب آپس کا اختلاف ونزاع ہوگا۔

اس اختلاف کی صورتیں مختلف رہی ہیں، یہ کبھی باہمی خانہ جنگی اور قتل وقتال کی صورت میں ظاہر ہوا، کبھی باہمی نزاع وجدال کی صورت میں نمودار ہوا، کبھی شقاق وافتراق کے راستے سے آیا اور کبھی بدظنی وبدگمانی، طعن وتشنیع اور لعنت وملامت کی صورت میں اُبھرا۔

پراز فتن اسلامی تاریخ

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس اُمت پر فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، واقعۂ حرہ، واقعۂ دیر الجماجم، واقعۂ کربلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت وغیرہ اس دردناک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ بہرحال اس اُمت میں ابتدا ہی سے فتنوں کا دور شروع ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

۱:..... الانعام:۶۵

۲:..... صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ انعام، ج:۲، ص:۶۶۶، ط: قدیمی

اُمت میں فتنوں کا دور کم وبیش برابر جاری رہے گا، فرق یہ ہے کہ دورِ اول میں عہدِ نبوت کے قرب کی وجہ سے اُمت کا ایمان قوی تھا، یہی وجہ ہے کہ شدید ترین اختلاف اور جدال وقتال کے باوجود دورِ اول کے تمام فتنے اُمت کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے، بلکہ تمام مسلمانوں کا ایمان اپنی جگہ قائم وراسخ رہا۔

خطرناک ترین فتنہ

سب سے بڑا اور خطرناک فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے زوالِ ایمان کا خطرہ پیدا ہو جائے، اگر چہ اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ معمولی معلوم ہوتا ہو، چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اُمت کا سب سے بڑا فتنہ دجال لعین کا فتنہ ہوگا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور ہر قسم کے دجل وفریب سے لوگوں کے ایمان کو غارت کرے گا۔ یہ فتنہ اگر چہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا، اور قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ہوگا، تاہم اس کی شدت واہمیت کی بنا پر ہر نبی ورسول نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور اس کے ایمان سوز نتائج وعواقب سے آگاہ کیا، مگر چونکہ اس فتنہ کا ظہور اُمتِ محمدیہ کے عہد میں ہونا تھا اور اس فتنۂ کبریٰ سے براہِ راست اسی اُمت کا تعلق تھا، اس لیے حضرت رسالت پناہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس سے ڈرایا اور اس کی واضح علامتیں بیان فرمائیں، تاکہ ہر شخص دجالی فتنہ کو پہچان سکے اور اُمت گمراہی سے بچے۔ الغرض زوالِ ایمان کا فتنہ تو سب سے بڑا فتنہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، اور اس کا ظہور بھی اُمت کے بالکل آخری دور میں ہوگا، لیکن اس کے علاوہ ہر دور میں جن فتنوں کا ظہور ہوتا رہا ہے وہ اعمال واخلاق، بدعت والحاد اور تشتُّت وافتراق کے فتنے ہیں۔

اس دور کے فتنے

ہمارا یہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں، گونا گوں فتنوں کی آماجگاہ ہے، ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے۔ ان میں سب سے زیادہ جن فتنوں سے اُمت کو واسطہ پڑا ہے، وہ اخلاقی وعملی فتنے ہیں۔ عوام زیادہ تر اخلاقی فتنوں میں مبتلا اور بدعملی کے فتنوں کا شکار

ہیں۔ فریضۂ نماز میں تساہل، فریضۂ صیام سے تغافل، فریضۂ حج وزکوٰۃ میں تکاسل، وغیرہ، وغیرہ۔ عبادات ہوں یا اخلاق، معاملات ہوں یا معاشرت، ہر شعبۂ دین میں بدعملی کا دور دورہ ہے اور بہت سے فتنے اس بدعملی کے نتائج ہیں۔

ملک میں شراب نوشی، عریانی و بے حیائی، فواحش و منکرات، مردوزن کے مخلوط اجتماعات، مخلوط تعلیم، تھیٹر اور سینما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن، زنا اور بدمعاشی، بداخلاقی و بداطواری، لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ، رشوت وخیانت، جھوٹ اور بہتان طرازی، غیبت اور چغلی، حرام خوری کی نت نئی صورتیں، حرصِ دنیا کی خاطر اشیاءِ خوردنی میں ملاوٹ۔ کہاں تک شمار کیا جائے؟ بے شمار برائیاں ہیں جو دورِحاضر میں اس کثرت سے ظاہر ہوئیں کہ پچھلے زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عقل حیران اور انسانی ضمیر انگشت بدنداں ہے کہ یا اللہ! دنیا کیا سے کیا ہوگئی؟ اگر آج قرونِ اولیٰ کے مسلمان زندہ ہوکر آجائیں اور اس دور کے مدعی اسلام مسلمانوں کے اخلاق وعمل کا یہ نقشہ دیکھیں تو خدا جانے کیا کہیں اور ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں؟ نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن.

طبقۂ خواص بھی فتنوں سے خالی نہیں

بہرحال یہ فتنے اور یہ امراض تو وہ ہیں جن میں زیادہ عوام مبتلا ہیں، اب ذرا خواص اُمت پر بھی سرسری نگاہ ڈالیے۔ یہ حقیقت ہے کہ علماءِ کرام اس عالم کا دل ودماغ ہیں اور عوام اُمت بمنزلہ اعضائے انسانی کے ہیں۔ علمائے اُمت کا مقام وہی ہے جو انسانی جسم میں قوائے رئیسہ (دل ودماغ، جگر اور گردوں) کا ہے۔ اعضائے رئیسہ اپنا کام ٹھیک کررہے ہوں تو جسم کسی اندرونی مرض کا شکار نہیں ہوتا اور بیرونی آفات وصدمات کے مقابلہ میں پوری قوتِ مدافعت رکھتا ہے۔ عام اعضائے انسانی کا نقص، اعضائے رئیسہ کے اختلال کی نشاندہی کرتا ہے اور ظاہر جسم کی خرابی اکثر وبیشتر جسم کی اندرونی قوتوں کی خرابی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح عوامِ اُمت میں خرابی زیادہ تر علماءِ اُمت کی خرابی وفساد سے ظہور میں آتی ہے۔ جب علمائے اُمت اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو عوام میں فساد کے دَر آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

علماء ومصلحین اور اُن کے فتنے

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں، لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

۱:۔ مصلحت اندیشی کا فتنہ

یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیشِ نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں۔ اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

۲:۔ ہردلعزیزی کا فتنہ

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں۔ اس فتنہ کی اساس حبِ جاہ ہے۔

۳:۔ اپنی رائے پر جمود واصرار

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی ویقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخورِ اعتناء اور لائقِ التفات نہ سمجھنا، بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار

ہیں۔کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں، صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا "الأھم فالأھم" کی تعیین کا اختلاف ہو۔

۴:۔سوءِ ظن کا فتنہ

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں، وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح نہیں، بلکہ اغراض پر مبنی ہیں، اس کا منشا بھی عجب و کبر ہے۔

۵:۔سوءِ فہم کا فتنہ

کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اُسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے، بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے۔مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو، کیا "إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ." (۱)

اور "إیا کم و الظن ، فإن الظن أکذب الحدیث ." (۲)

کی نصوص مرفوع العمل ہو چکی ہیں؟

۶:۔بہتان طرازی کا فتنہ

مخالفین کی تذلیل و تحقیر کرنا بلا سند اُن کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا، اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کردی بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے لے کر محافل

۱:..... الحجرات:۱۲ ترجمہ:اور یقیناً بعض گمان گناہ ہیں

۲:..... صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ماینہی عن التحاسد والتدابر، ج:۲،ص:۸۹۶، ط:قدیمی

ترجمہ:بدگمانی سے بچا کرو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے(اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں)

وجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق صحیح سمجھنا، کیا یہ نصِ قرآنی ''إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا.''(۱)
کے خلاف نہیں؟

۷:- جذبۂ انتقام کا فتنہ

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہے، لیکن خاموش رہتا ہے، لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے طاقت آ جاتی ہے، تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ گویا یہ خاموشی، معافی اور درگزر کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ بے چارگی و ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی، جب طاقت آ گئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم اور عفوودرگزر سب ختم۔

۸:- حبِ شہرت کا فتنہ

کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں۔ درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرکِ خفی ہے۔ حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے۔ اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

۹:- خطابت یا تقریر کا فتنہ

یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں، قوالی کا شوق دامن گیر ہے، عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں۔

''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَاللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا

۱:..... الحجرات:۶ ترجمہ: ''اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کرلو۔''

تَفْعَلُوْنَ. ‘‘(۱)

’’کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔‘‘ (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہاں کا درد اس کے دل میں ہے، لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

۱۰:۔دعایۃ یعنی پروپیگنڈہ کا فتنہ

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصاً سیاسی جماعتیں، ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑتوڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عمل ہے نہ انصاف، محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے۔ اخبارات اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

۱۱:۔تنظیم سازی کا فتنہ

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہوگئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہوگیا، فوراً ایک نئی جماعت کی تشکیل ہوگئی، طویل وعریض اغراض ومقاصد بتائے جاتے ہیں۔ پروپیگنڈے کے لیے فوراً اخبار نکالا جاتا ہے۔ بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔ نہایت دل کش عنوانات اور جاذبِ نظر الفاظ وکلمات سے قراردادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں، اُمت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

۱۲:۔عصبیتِ جاہلیت کا فتنہ

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو، اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے۔ مدعی اسلام جماعتوں کے

۱:.... الصّف:۲، ۳

اخبار ورسائل، تصویریں، کارٹون، سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر چونکہ ''اپنی جماعت'' کے حامی ہیں، اس لیے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بہ نظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کی نماز، روزے کا بھی مذاق اُڑایا جاتا ہے۔

۱۳:۔حبِ مال کا فتنہ

حدیث میں تو آیا ہے کہ: ''حب الدنیا رأس کل خطیئة.''[۱] دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدرِ مشترک حبِ جاہ یا حبِ مال ہے۔ بہت سے حضرات ''ربنا آتنا في الدنیا حسنة'' کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لیے دلیل بناتے ہیں، حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں۔ نیز ایک ہے طبعی محبت، جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے، اس سے بھی انکار نہیں۔ مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعتِ محمدیہ اور دینِ اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہوجائیں۔ اقتصاد واعتدال کی ضرورت ہے، عوام سے شکایت کیا کی جائے، آج کل عوام سے یہ فتنہ گزر کر خواص کے قلوب میں بھی آرہا ہے، الا ماشاء اللہ۔ اس فتنے کی تفصیلات کے لیے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں:

''اللّٰهم ارزقني حبك وحب من يحبك وحب عمل يقربني إليك، اللّٰهم مارزقتني مما أحب فاجعله قوة فيما تحب ومازويت عني مما أحب، فاجعله فراغا لي فيما تحب، اللّٰهم اجعل حبك أحب الأشياء إليّ من نفسي وأهلي ومن الماء البارد.''[۲]

۱:..... مشکوۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثالث، ص:۴۴۴، ط: قدیمی

۲:..... سنن الترمذی، ابواب الدعوات، ج:۲، ص:۱۸۷، ط: فاروقی کتب خانہ

علماء و مصلحین کے فرائض

اس جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ خود صحیح ہوں اور ایمان وتقویٰ اور اخلاق و عملِ صالح سے آراستہ ہوں اور دوسرا فرض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہوں اور صراطِ مستقیم کی طرف اُمت کی راہنمائی کریں اور کسی قسم کا نقصِ اعتقادی، اخلاقی یا عملی اُمت میں واقع ہو تو اس کے لیے بے چین ہو جائیں اور اس کی اصلاح کے لیے صحیح تدابیر کریں۔ اگر خود ان ہی میں نقص آجائے تو اُمت کے عوام کا خراب ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح اگر وہ اپنے مقام ومسند کو چھوڑ بیٹھیں، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتزکیہ کی خدمت سے دست کش ہو جائیں اور اصلاحِ اُمت کی فکر کو بالائے طاق رکھ دیں تو اس کے نتیجہ میں پوری اُمت فساد اور بدعملی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔

بہر کیف اُمت کے لیے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ مصلحینِ اُمت اپنے فریضۂ منصبی سے غافل ہو جائیں اور جب رفتہ رفتہ یہ مرض یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ علماء اُمت خود اپنی اصلاح سے بھی غافل اور مختلف امراض اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں اُمت پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ امت' امراض کے انتہائی خطرناک درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس وقت کوئی توقع باقی نہیں رہتی کہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح کی کوشش مثمر ہو سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات میں اسی کا نقشہ یوں پیش کیا گیا ہے:

''إذا رأيت هوى متبعا و شحاً مطاعاً و دنيا مؤثرةً و إعجاب كل ذي رأي برأيه.'' (سنن ابی داؤد) (۱)

جب تم دیکھو کہ نفسانی خواہشات کی اتباع ہو رہی ہے، طبیعت کی حرص قابلِ اطاعت بن گئی ہے، ہر کام میں دنیا کی مصلحت بینی کا خیال رکھا جاتا ہے اور ہر شخص کو اپنی رائے پر ناز ہے

۱:.... سنن الترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ المائدۃ، ج:۲، ص:۱۳۶، ط: قدیمی۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، ج:۲، ص:۵۹۷، ط: حقانیہ، پشاور

اور اپنی رائے کے خلاف ہر بات کو ہیچ سمجھتا ہے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی فکر کرنی چاہیے۔ دنیا کی اصلاح کی فکر ختم کر دینی چاہیے، یا یہ کہ تبلیغی فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا جائے اور اس وقت بھی میدان میں آ کر اس خدمت کو انجام دیا جائے۔ بہرحال جب حالات اتنے مایوس کن نہ ہوں تو قدم کو جادۂ دعوت و اصلاح سے نہیں ہٹنا چاہیے۔

گروہ بندی اور افتراق سے پرہیز

جس طرح عوام اور قوم کے دوسرے طبقوں میں انتشار و افتراق اور تحزب (گروہ بندی) کارفرما ہے۔ اسی طرح علماء کرام کے طبقوں اور دینی اداروں میں بھی تشتُّت وافتراق موجود ہے، نہ صرف مختلف مکاتب فکر کے علماء میں بلکہ ایک ہی مکتبِ فکر کے بزرگوں میں بھی یہی صورتِ حال کارفرما ہے۔ کہیں جمعیت علماء اسلام ہے تو کہیں جمعیت علماء پاکستان اور کہیں مجلسِ احرارِ اسلام موجود ہے تو کہیں جمعیت اہلِ حدیث، کہیں تنظیم اہلِ سنت ہے تو کہیں ادارہ ختم نبوت۔ دین کے لیے یہ انتشار و افتراق سانحۂ عظیم ہے۔ کاش! یہ سب ادارے یا کم از کم ایک ایک مکتب خیال کے ادارے ایک مرکز پر جمع اور متحد و متفق ہو جائیں اور پھر باہمی تعاون و مشاورت اور متحدہ نظام کے تحت تقسیم کار کے اصول پر جو جماعت جس مقصد کے لیے زیادہ اہل اور موزوں ہو وہ کام اس کے سپرد کر دیا جائے، آپس میں کلی ارتباط و اتحاد، تعاون و تناصر اور ہم آہنگی و یگانگت موجود ہو اور سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔

حبِ دنیا کا فتنہ

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ دنیا کی محبت ہے، دنیا سے میری مراد عام ہے۔ دولت وثروت ہو، جاہ و منزلت ہو، شہوات ولذائذ ہوں، راحت وآسائش ہو، بود و باش ہو، غرض معاشرت ومعیشت کا کوئی شعبہ بھی ہو، غیر شعوری طور پر اس کی رغبت ہوتی ہے، اس کے لیے محنت کی جاتی ہے۔ ان چیزوں کو قرآن وحدیث میں ''متاعِ دنیا'' کہا گیا ہے اور جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لیے عام ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں، حلال ہوں یا حرام ہوں اور جب یہ حالت ترقی کر جاتی ہے تو پھر اس کے حصول کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، بے حیائی، بے رحمی نا انصافی سب آ جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ طبیعت مسخ ہوجاتی ہے اور حقائق معکوس ہوجاتے ہیں، صحیح کو غلط سمجھنے لگتا ہے اور غلط کو صحیح، حق کو باطل اور باطل کو حق۔ حق تعالیٰ کا ارشاد صادق آجاتا ہے:

''فَإِنَّهَا لَاتَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰـكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِيْ الصُّدُوْرِ.''(۱)

یعنی ''سر کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، دل کی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں۔''

اس لیے حدیث نبوی میں یہ ارشاد ہے کہ: ''حب الدنیا رأس كل خطيئة''(۲) یعنی ''دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔'' بہرحال حبِ دنیا کا فتنہ اتنا عالمگیر ہوگیا ہے کہ ہر شخص پر کچھ نہ

۱:.... الحج:۴۶

۲:.... مشکوۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثالث، ص:۴۴۴، ط: قدیمی

کچھ اثر اس کا پڑتا ہے، إلا ماشاء الله. پھر نفس کی ان خواہشات کو شیطان لعین ہوا دیتا ہے، اس کی اہمیت ومعقولیت طبیعت میں راسخ کرتا ہے۔

حُبِ دنیا کے اسباب

''وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ'' کہ ''شیطان ان کے کاموں کو ان کے لیے خوبصورت وآراستہ کرتا ہے۔'' جب نفس وشیطان کا پورا استیلاء ہوجاتا ہے تو انسان اچھا خاصا حیوان بن جاتا ہے، اس کے لیے شراب نوشی، بدکاری، بےحیائی، عریانی وفحاشی سب میں انتہائی جاذبیت پیدا ہوجاتی ہے، إنا لله، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اس صورت حال میں اگر بدقسمتی سے انسان خدا فراموش ماحول میں پہنچ جاتا ہے جہاں کی دنیا یہی ہو، جہاں قدم قدم پر یہ روح فرسا مناظر ہوں، دل دماغ پر نفس وشیطان کا سحر اثر کرگیا ہو، ہر وقت متاعِ دنیا کی ہوس سوار ہوتو معاملہ مایوس کن مرحلہ میں داخل ہوجاتا ہے، یا انسان کسی ایسی مملکت میں سکونت پذیر ہو کہ حکومت کی خواہش یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات خدا فراموش زندگی اختیار کرے، ہر بے حیائی کی حوصلہ افزائی ہو۔ تھیٹر، سینما، ٹی وی اور فواحش مناظر ہوں، تعلیم ہوتو مخلوط ہو، اجتماعات ہوں تو مشترک ہوں۔ اس دردناک صورتِ حال میں کیا کوئی خیر کی توقع باقی رہ سکتی ہے؟

یہ تو عملی فتنوں کی حالت ہے، اگر اس پر مستزاد علمی فتنے بھی شامل ہوں، مثلاً: سیرت ہو تو فرائیڈ کی، تاریخ ہو تو ہیگل ومارکس اور لینن کی، نہ ذکر وعبادت کی فکر ہو، نہ تقویٰ کا خیال ہو، ''ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' اوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو خیر کی کیا امید؟

آج کل اکثر اسلامی ممالک کی یہی صورت حال ہے، مال دولت کی فراوانی نہیں، بلکہ سیلاب ہے، مال ودولت کی فراوانی کے جو لوازم ہیں یعنی عیش پرستی، اسراف وتبذیر، کروفر، نخوت وغرور کا وہ عالم کہ الأمان والحفيظ۔ افسوس کہ فقر وتنگدستی میں ان کا ایمان محفوظ رہا اور انسانی اخلاق وملکات قائم رہے، لیکن اس پر آشوب صورت نے تو ان کی کایا پلٹ دی، نہ معلوم یہ سیلاب کہاں رکے گا اور کیسے رکے گا؟

اسبابِ عذاب

آج بیروت کا خوبصورت شہر اور لبنان کے علاقے کیوں جہنم کدہ بنے ہوئے ہیں؟ عبرت کا مقام ہے، عیاشی و بد معاشی، بے حیائی و عریانی وغیرہ فواحش و منکرات کے قبیل کی کون سی چیز ہے جس کا وجود وہاں نہ ہو؟ آخر نام اسلام کا ہو اور تمام کام کفر کے ہوں، یہ نفاق حق تعالیٰ کے یہاں برداشت نہیں۔ مانا کہ اس عذاب کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہیں، لیکن تکوینی اسباب اور ظاہری اسباب میں تعارض نہیں۔ ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں، لیکن باطنی اسباب کچھ اور ہوتے ہیں۔ ہم بینات کے ''بصائر وعبر'' کے صفحات میں بارہا یہ عبرت انگیز تلخی آمیز حقائق و اشگاف بیان کر چکے ہیں، ولٰکن لا حیات لمن تنادي (تم جس کو پکار رہے ہو وہ موت کی نیند سو چکا ہے) کون سنتا ہے؟ نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں، نہ معلوم کہ دنیا کو یہ جنون کیوں سوار ہے؟ ہوش کیوں نہیں آتا؟ ''حیاتِ طیبہ'' پاکیزہ زندگی کی برکات کا کیوں احساس نہیں ہے؟

حُبِ دنیا کے نتائج

دنیا کی اس خدا فراموش زندگی کا پہلا نتیجہ اضطرابِ قلب ہے، چنانچہ آج دنیا سے سکون مفقود ہے۔ دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ قابلِ اہمیت نعمت سکونِ قلب ہے، اگر یہ حاصل ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ تمام باغ و بہار ہیچ ہے۔ اگر غور کیا جائے تو انسان اس یقین تک پہنچ سکتا ہے کہ پاکیزہ زندگی کے ذریعہ دنیا بھی جنت ہے اور خدا فراموش زندگی میں دنیا جہنم ہے: ''أَلَا إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ'' کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ بلاشبہ اگر دنیا کو آخرت کی نعمتوں کا ذریعہ بنایا جائے تو دنیا دنیا نہیں ہوگی، بلکہ یہی دنیا آخرت بن جائے گی اور ہر لمحہ اجر و ثواب نصیب ہوگا اور اسی لیے حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ''لا تسبوا الدنيا'' یعنی ''دنیا کو برا مت کہو۔'' اس کی مراد یہی ہے کہ دنیا آخرت کا مزرعہ اور کھیتی ہے، اگر یہ دنیا نہ ہو تو آخرت کی نعمتیں کیوں کر حاصل ہوں گی؟ دنیا ہی کے ذریعہ آخرت کی تمام نعمتیں حاصل ہو سکتی

ہیں، ہاں! اگر دنیا کا مقصد صرف دنیا کی نعمتیں ہیں تو پھر دنیا لعنت ہی لعنت اور غضب ہی غضب کی مستحق ہے اور اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے جو جامع ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ہے:
''الدنیا ملعونۃ، ملعون مافیھا إلا ذکر اللہ أو ماوالاہ أو عالم أو متعلم.''(۱)

کہ ''دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے تمام لعنت کے مستحق ہیں، بجز چار چیزوں کے: ۱:-حق تعالیٰ کی یاد، اور یادِ الٰہی کے حکم میں ہر پاکیزہ زندگی ہے، ۲:-اور جو چیز دنیا کی اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، یعنی عملِ صالح، عبادات اور مکارمِ اخلاق وغیرہ، ۳:-عالم اور علمی زندگی، ۴:-علم دین حاصل کرنے کی زندگی۔ یہ چار چیزیں گویا آخرت کی نعمتیں ہیں، اگرچہ دنیا میں ہیں۔ ان چار چیزوں کو اگر نکال دیا جائے تو دنیا ملعون ہے، قابلِ لعنت ہے، اس میں کوئی خوبی نہیں۔

دنیا آخرت کی کھیتی

یہ میں نہیں کہتا کہ یکسر دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کی جائے، نہیں! ہرگز نہیں! تجارت، زراعت، کسبِ حلال، حصولِ نفقہ اور صحیح معاشرہ کے تمام وسائل، یہ سب کچھ عین دین ہے۔ ان چیزوں کا مقصد اگر صحیح ہے تو یہ سب چیزیں دنیا نہیں، بلکہ آخرت کی ہیں اور باعثِ اجر و ثواب ہیں۔ شریعت ان چیزوں پر پابندی نہیں لگانا چاہتی ہے، بلکہ ان کا رُخ صحیح کرنا چاہتی ہے، مقصد کی اصلاح کرنا چاہتی ہے، اس طرح تمام دنیا آخرت کی زندگی بن سکتی ہے۔ اگر تمام زندگی عبادت میں گزار دے اور تمام اوقات درس و تدریس میں یا وعظ و تبلیغ میں گزارے، لیکن مقصد جاہ و منزلت ہو یا حصولِ مال و دولت ہو تو یہ ساری چیزیں دنیا بن جاتی ہیں۔ الغرض ایک گناہ ہی ایسی چیز ہے کہ حسنِ نیت سے طاعت نہیں بن سکتی ہے، باقی تمام دنیا کی جائز و حلال چیزیں حسنِ نیت سے آخرت کے حکم میں داخل ہوسکتی ہیں۔ صالحینِ اُمت کے لیے دنیا جنت ہے، فاسقین کے لیے یہ دنیا بھی جہنم ہے۔ میرا مقصد کوئی وعظ نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس کو حق

۱:.... الترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی ہوان الدنیا علی اللہ عزوجل، ج:۲، ص:۵۶، ط: فاروقی کتب خانہ۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب مثل الدنیا، ص:۳۰۲، ط: قدیمی

تعالیٰ نے ذرا بھی عقل دی ہو اور وہ ذرا بھی عقلِ سلیم کے تقاضے کو پورا کرے تو دنیا کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عجیب وغریب اسلوب سے دنیا کی اس حقیقت کو مختلف مقامات میں بیان فرما کر اربابِ عقول پر اپنی حجت پوری کر دی ہے۔

سببِ اضطراب اور اس کا علاج

آج کل جو کچھ اضطراب اور پریشانی کا نقشہ دنیا میں نظر آ رہا ہے، یہ سب کچھ حُبِّ دنیا کے ثمرات ہیں۔ کاش! مسلمان قرآن کریم کا ہی ترجمہ سمجھتے اور تدبر سے تلاوت کرتے تو یہ واشگاف حقائقِ الٰہیہ اُن کے سامنے آتے، لیکن آج مسلمانوں کو اخبار بینی، ریڈیو اور ٹی وی سے فرصت کہاں ملتی ہے؟ بہت کچھ تیر مارا تو ریڈیو پر اسلامی زندگی کا کچھ مضمون خاص سانچے میں ڈھلا ہوا سن لیا اور سمجھ لیا کہ بس بہت کچھ درس حاصل ہو گیا۔ کاش! مسلمانوں کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کے اس پیغام سے ہوتا اور سمجھ کر بغور تلاوت نصیب ہوتی تو مسلمانوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ قرآن کریم عظیم ترین نعمت ہے، یہ وہ ذکر اللہ ہے جس کے ذریعہ ایمان میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور جس سے قلب و روح کو غذا ملتی ہے، دماغ کی تربیت ہوتی ہے، زندگی کی اصلاح ہوتی ہے۔ ''ہم خرما و ہم ثواب'' والی صورت ہے، لیکن مرض موجود ہو اور مرض کا علاج نہ ہو، بلکہ مرض ہی کو صحت سمجھ لیا جائے تو شفاء کیوں کر ہو گی؟ بد پرہیز مریض کا انجام بجز ہلاکت اور کیا ہو سکتا ہے؟ زہر کو تریاق سمجھ کر استعمال کرنے کا جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے۔ حق تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور حق بات سننے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس پر عمل کی مزید توفیق ہو، اور ان مختصر اشارات سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق ہو، آمین۔

مادیت کا فتنہ

آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ ان سب فتنوں میں ایک بنیادی اور بڑا فتنہ ''پیٹ'' کا ہے۔ شکم پروری وتن آسانی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے۔ ہر شخص کا شوق یہ ہے کہ لقمۂ تر اُس کی لذتِ کام ودہن کا ذریعہ بنے اور یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہے

کہ بہت کم افراد اس سے بچ سکے ہیں۔ تاجر ہو یا ملازم، اسکول کا ٹیچر ہو یا کالج کا پروفیسر، دینی درس گاہ کا مدرس ہو یا مسجد کا امام، اس آفت میں سبھی مبتلا نظر آتے ہیں۔ ہاں! فرقِ مراتب ضرور ہے۔ زہد وقناعت، ورع وتقویٰ اور اخلاص وایثار جیسے اخلاق وفضائل اور ملکات کا نام ونشان نہیں ملتا۔

فتنۂ مادیت کا نتیجہ واسباب

اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کا پورا عالم ساز وسامان کی فراوانی کے باوجود حرص وآز، طمع ولالچ اور زرطلبی وشکم پروری کی بھٹی میں جل رہا ہے اور کرب واضطراب، بے چینی وبے اطمینانی اور حیرت وپریشانی کا دھواں ہر چہار سمت پھیلا ہوا ہے۔

دراصل اس فتنۂ جہاں سوز کا بنیادی سبب یہی ہے جس کی نشاندہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور قریباً ختم ہو چکا ہے۔ مادی نعمتیں اور ان کا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں مضمحل ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے آج انسانوں کی چھوٹائی بڑائی، عزت وذلت اور بلندی وپستی کی پیمائش ''إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ'' کے پیمانے سے نہیں ہوتی، بلکہ ''پیٹ اور جیب'' کے پیمانے سے ہوتی ہے۔ مادیت کے اس سیلاب میں پہلے ایمان ویقین رخصت ہوا، پھر انسانی اخلاق ملیا میٹ ہوئے، پھر اُسوۂ نبوت سے وابستگی کمزور ہو کر اعمالِ صالحہ کی فضا ختم ہوئی، پھر معاشرت ومعاملات کی گاڑی لائن سے اُتری، پھر سیاست وتمدُّن تباہ ہوا اور اب مادیت کا یہ طوفان انسانیت کو بہیمیت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ افراتفری اور بے اصولی، آوارگی وبے راہ روی اور بے رحمی وشقاوت کا وہ دور دورہ ہے کہ الأمان والحفیظ!

فتنۂ مادیت کا علاج

الغرض اس ''پیٹ'' کے فتنے نے ساری دنیا کی کایا پلٹ کر ڈالی۔ دنیا بھر کے عقلاء ''پیٹ'' کی فتنہ سامانی کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں، وہ اس فتنہ کے ہولناک نتائج کا تدارک

بھی کرنا چاہتے ہیں، مگر صد حیف کہ علاج کے لیے ٹھیک وہی چیز تجویز کی جاتی ہے، جو خود سببِ مرض ہے۔ درحقیقت انبیاء علیہم السلام ہی انسانیت کے نباض ہیں اور انہی کا تجویز کردہ علاج اس مریض کے لیے کارگر ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہولناک مرض کی صحیح تشخیص بہت پہلے فرمادی تھی، چنانچہ ارشاد فرمایا:

”واللہ لا الفقر أخشیٰ علیکم ولکن أخشیٰ علیکم أن تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علي من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما أھلکتھم.“(۱)

”بخدا! مجھے تم پر فقر کا اندیشہ قطعاً نہیں، بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلائی جائے، جیسا کہ تم سے پہلوؤں پر پھیلائی گئی، پھر تم پہلوؤں کی طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، پھر اس نے جیسے ان کو برباد کیا، تمہیں بھی برباد کر ڈالے۔“

لیجئے! یہ تھا وہ نقطۂ آغاز جس سے انسانیت کا بگاڑ شروع ہوا، یعنی دنیا کو نفیس اور قیمتی چیز سمجھنا اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس پر جھپٹنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشخیص پر ہی اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے ایک جامع نسخۂ شفاء بھی تجویز فرمایا، جس کا ایک جزء اعتقادی ہے اور دوسرا عملی۔

اعتقادی علاج

اعتقادی جزء یہ کہ اس حقیقت کو ہر موقع پر مستحضر رکھا جائے کہ اس دنیا میں ہم چند لمحوں کے مہمان ہیں، یہاں کی ہر راحت و آسائش بھی فانی ہے اور ہر تکلیف و مشقت بھی ختم ہونے والی

۱:..... صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مایحذر من زہرۃ الدنیا والتنافس فیہا، ج:۲،ص:۹۵۱، ط: قدیمی۔ الصحیح لمسلم، کتاب الزہد، ج:۲،ص:۴۰۷، ط: قدیمی۔ مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، ج:۲،ص:۴۴۰، ط: قدیمی

ہے۔ یہاں کے لذائذ وشہوات آخرت کی بیش بہا نعمتوں اور ابدالآباد کی لازوال راحتوں کے مقابلہ میں کالعدم اور ہیچ ہیں۔قرآن کریم اس اعتقاد کے لیے سراپا دعوت ہے اور سینکڑوں جگہ اس حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے۔سورۃ الاعلیٰ میں نہایت بلیغ،مختصر اور جامع الفاظ میں اس پر متنبہ فرمایا:

''بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْـقٰى.''[۱]

''کان کھول کر سن لو! (کہ تم آخرت کو اہمیت نہیں دیتے) بلکہ دنیا کی زندگی کو (اس پر) ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور لازوال ہے۔''

عملی علاج

اور عملی حصہ اس نسخہ کا یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں مشغول ہوا جائے اور بطور پرہیز کے حرام اور مشتبہ چیزوں کو زہر سمجھ کر ان سے کلی پرہیز کیا جائے اور یہاں کے لذائذ وشہوات میں انہماک سے کنارہ کشی کی جائے۔دنیا کا مال واسباب، زن وفرزند، خویش واقرباء اور قبیلہ وبرادری کے سارے قصے زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھ کر صرف بقدرِ ضرورت ہی اختیار کیے جائیں، ان میں سے کسی چیز کو بھی دنیا میں عیش وعشرت اور لذت وتنعم کی زندگی گزارنے کے لیے اختیار نہ کیا جائے، نہ یہاں کی عیش کوشی کو زندگی کا مقصد اور موضوع بنایا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

''إياك والتنعم، فإن عباداللہ ليسوا بالمتنعمين.''[۲]

''عیش وتنعم سے پرہیز کرو، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔''

۱:.... الاعلیٰ:۱۶،۱۷

۲:.... مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، ج:۲،ص:۴۴۹، ط:قدیمی

متضاد طرزِ عمل

تعجب ہے کہ اگر کسی ڈاکٹر کی رائے ہو کہ دودھ، گھی، گوشت، چاول وغیرہ کا استعمال مضر ہے تو اس کے مشورے اور اشارے سے تمام نعمتیں ترک کی جاسکتی ہیں، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور وحیِ آسمانی کے صاف احکام پر ادنیٰ سے ادنیٰ لذت کا ترک کرنا گوارا نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب رضی اللہ عنہم کی زندگی اور معیارِ زندگی کو اول سے آخر تک دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نعمتوں سے دل بستگی سراسر جنون ہے۔

روٹی اور پیٹ کا مسئلہ

''صحیح بخاری شریف'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مروی ہے کہ کچھ لوگوں پر ان کا گزر ہوا، جن کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھا تھا، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی، آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کردیا اور فرمایا کہ:

> ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔''(۱)

مہینوں پر مہینے گزر جاتے، مگر کاشانۂ نبوت میں نہ رات کو چراغ جلتا نہ دن کو، چولھا گرم ہوتا، پانی اور کھجور پر گزر بسر ہوتی، وہ بھی کبھی میسر آتیں، کبھی نہیں، تین تین دن کا فاقہ ہوتا، کمر سیدھی رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھے جاتے اور اسی حالت میں جہاد وقتال کے معرکے ہوتے۔ الغرض زہد وقناعت، فقر وفاقہ، بلند ہمتی وجفاکشی اور دنیا کی آسائش سے بے رغبتی اور نفرت وبیزاری سیرتِ طیبہ کا طغرائے امتیاز تھی، اپنی حالت کا اس ''پاک زندگی'' سے مقابلہ کرنے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو شرم آنی چاہیے۔ ہمارے یہاں سارا مسئلہ روٹی اور پیٹ کا

۱:..... صحیح البخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ یاکلون، ج:۲،ص:۸۱۵، ط:قدیمی

ہے اور وہاں یہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ زندگی بالقصد اختیار کی گئی تھی، تاکہ آئندہ نسلوں پر خدا کی حجت پوری ہوجائے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ کو منجانب اللہ کیا کچھ نہ دیا جاسکتا؟ مگر دنیا کا یہ ساز وسامان جس کے لیے ہم مرکھپ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر حقیر وذلیل ہے کہ وہ اپنے محبوب اور مقرب بندوں کو اس سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا، بعض انبیاء علیہم السلام کو عظیم الشان سلطنت بھی دی گئی، مگر ان کے زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی وبیزاری میں فرق نہیں، ان کے پاس جو کچھ تھا دوسروں کے لیے تھا، اپنے نفس کے لیے کچھ نہ تھا۔

الغرض یہ ہے ''فتنۂ پیٹ'' کا صحیح علاج جو انبیاء کرام علیہم السلام اور بالخصوص سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا، اور اگر انسان ''پیٹ کی شہوت'' کے فتنہ سے بچ نکلے تو ان شاء اللہ ''شہوتِ فرج'' کے فتنہ سے بھی محفوظ رہے گا کہ یہ خرمستی پیٹ بھرے آدمی کو ہی سوجھتی ہے، بھوکا آدمی اس کی آرزو کب کرے گا؟! ان ہی دو شہوتوں سے بچنے کا نام اسلام کی اصطلاح میں ''تقویٰ'' ہے جس پر بڑی بشارتیں دی گئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ضعیف مریض کو بقائے حیات کے لیے ہلکی پھلکی معمولی غذا کا مشورہ دیا جاتا ہے اور زبان کے چسکے سے بچنے کی سخت تاکید کی جاتی ہے، تاکہ مطلوبہ اعلیٰ صحت نصیب ہو، بس یہی حیثیت اسلام کی نظر میں دنیا کی ہے۔

فتنۂ مغربیت

’’مجمع الزوائد‘‘ میں حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے بحوالہ ’’معجم طبرانی‘‘ ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابیؓ نقل کی ہے:

’’إنه كان يتعوذ من فتنة المشرق، قيل: فكيف فتنة المغرب؟ قال: ’’تلك أعظم وأعظم.‘‘(۱)

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنۂ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔‘‘

یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کی مراد فتنۂ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوطِ اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا۔ تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلادِ مغرب کے اس ’’فتنۂ استشراق‘‘ کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد وتحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا، جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہرحال الفاظِ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔ الغرض اس دور میں یہ علمی وعملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون ومحفوظ تھا، لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے، کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے، نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال و دولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

۱:.... مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب التعوذ من الفتن، ج:۷، ص:۴۴۹، ط: دارالفکر، بیروت

اہلِ علم واہلِ قلم حضرات کا فتنہ

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں اربابِ علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کر رہے ہیں اور اربابِ جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں۔ ہر صاحب قلم، صاحب علم بننے کا مدعی ہے، کتابوں کے اردو تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے۔ اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے افسوس کہ عصرِ حاضر میں ''وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا'' کا مصداق بنتے جا رہے ہیں، جن کا ضرر و نقصان فائدہ و نفع سے کہیں بڑھ گیا ہے۔

دورِ حاضر جہاں مختلف فتنوں کی آماجگاہ ہے، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے گوئے سبقت لے جا رہا ہے۔

علمی میدان میں ان حضرات کا دائرہ نہ صرف بہت محدود و تنگ ہے، بلکہ ہے ہی نہیں۔ اُردو کے تراجم سے کچھ سطحی معلومات حاصل کر کے ہر شخص دورِ حاضر کا مجتہد بنتا جا رہا ہے اور ''إعجاب كل ذي رأي برأيه'' (ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے) اس فتنے نے ''کریلا اور پھر نیم چڑھا'' والی مثل صادق کر دی ہے اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم کرا کر فتنہ کو اور بڑھا دیا ہے۔ غرض کہ فتنوں کا دور ہے، ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف سے فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں۔ ان فتنوں کے سدِ باب کے لیے مستقل اداروں کی ضرورت ہے، جن کا اساسی مقصد صرف یہی ہو کہ ان تراجم کا جائزہ لیا جائے

اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو۔ اربابِ جرائد ومجلّات کا مقصد محض تجارت ہے اور اربابِ قلم کا مقصد محض شہرت ہے یا پھر کچھ مادّی منفعت بھی پیشِ نظر ہے۔ انھی قلمی واخباری فتنوں میں سے ایک زرعی اصلاحات کے عنوان سے زرعی مشکلات کو حل کرنے کے سلسلہ کے مضامین ہیں جو آئے دن اخبارات میں نکلتے رہتے ہیں۔

بلاشبہ علمی ودینی نقطۂ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اسلامی احکام کی روشنی میں اگر صحیح متفقہ حل پیش کیا جائے تو کمیونزم کا سدِ باب ہوسکتا ہے۔ دنیا کی مادّی بنیادیں دو ہیں جن پر معاش ومعیشت کا دارومدار ہے: ایک زراعت اور ایک صنعت وتجارت۔ دونوں چیزیں حیاتِ انسانی کے لیے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں، اس لیے دینِ اسلام نے ان کے احکام پورے طور پر بیان کردیئے۔

قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مفکرین، اربابِ دین وارباب علم جن کی علمی زندگیاں انھی بادیہ پیمائیوں میں گزری ہیں اور جن کی بے لوث زندگیاں اخلاص وتقویٰ سے معمور ہیں اور جن کی فکری واجتہادی صلاحیتیں مسلم ہیں، جلد سے جلد کسی مرکز میں بیٹھ کر وفاقی اجماعی حل پیش کریں۔ شخصی طور پر اس پچاس سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ چند ماہ پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نے چند ممتاز افراد کو جمع بھی کیا تھا، لیکن تکمیل سے پہلے حضرات منتشر ہوگئے، کام ادھورا رہ گیا، حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ جلد سے جلد یہ کام انجام پذیر ہو اور نہایت خوش اسلوبی سے منصۂ شہود پر اُمت کے سامنے آجائے، اگرچہ اربابِ اقتدار آج کل اتنے جری ہوگئے کہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہر حکم نافذ کرتے ہیں اور اسلام کے ادعاء کے باوجود ہر قید وبند سے آزاد ہوکر احکامات صادر فرماتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں بے چارے اہلِ علم یا اربابِ دین کی باتوں کو وہ کہاں درخورِ اعتناء سمجھتے ہیں، لیکن بارگاہِ ربوبیت میں اپنی مسئولیت پوری کرنے کے لیے ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔

علماء کی صحبت کے بغیر حصولِ علم فتنہ ہے

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ صاحبِ کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کرلیا جائے، معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کے لیے بھی کسی استاذ ورہنما کی ضرورت مسلم، بغیر استاذ کے نری عقل وذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ انجینئری ہو یاڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت وحرفت کے لیے ابتداءً عقل کی رہنمائی کے لیے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے۔ جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون وعلوم کے حاصل کرنے کے لیے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علومِ نبوت اور معارفِ انبیاء اور حقائقِ شریعت کے لیے استاذ ورہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم ومعارف تو عقل وادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحیِ ربّانی کے زریعہ سے اُمت کو پہنچے ہیں۔ آسمانی تربیت اور ربانی ہدایات وارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے، پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اس لیے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی ورہنما جتنا باکمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا۔

اپنی عقل ورائے پر اعتماد اور اس کا نتیجہ

پھر ان علومِ نبوت کی غرض وغایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی ہے،

اس لیے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت واضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔ جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لیے حاصل کرنا ہوتا ہے اس پر شیطان آرام سے بیٹھا رہتا، اس کو دخل کی حاجت ہی نہیں، نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے، لیکن جہاں آخرت وعقبیٰ اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لیے بے تاب ہوتا ہے، مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشدو ہدایت، ضلالت میں تبدیل ہوجائے اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے، یعنی حق و باطل میں ایسا التباس ہوجائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے، حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے، پھر نفسِ انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں۔ انسانی فطرت میں کبروعجب ہے، ریاکاری وحُبِ شہرت ہے، حُبِ جاہ کا مرض ہے اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا، اس لیے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لیے مدتوں کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب فضلِ الٰہی شامل حال ہو تو اصلاح ہوجاتی ہے، ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب اذکیاء اور طباع حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں، بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدتِ ذکاوت کی وجہ سے جمہور اُمت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار ونظریات کا شکار ہوگئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحُّر وذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرائے کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں، اس لیے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں وہ بہت

جلد ان کے معتقد ہو جاتے ہیں اور ان کے اُمت سے مختلف شواذ اور جدید افکار و نظریات کے بھی حامی ہو جاتے ہیں اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے، جو شخصیت اُمت کی ہدایت و ارشاد کے کام آ سکتی تھی وہ اُمت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ امام غزالیؒ نے ''مقاصد الفلاسفة'' میں لکھا ہے کہ: ''یونانیوں کے علوم، حساب، ہندسہ، عنصریات، وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ ان کے تمام علوم کے معتقد ہو گئے، طبعیات والٰہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہو کر گمراہ ہو گئے۔''

امام غزالیؒ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے۔ شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے۔ بہر حال جب انتہائی علمی قابلیت والے، انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم، لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو، صحبتِ اربابِ کمال سے یکسر محروم ہوں، طباع وذہین ہوں، وہ تو بہت جلد اعجاب بالرائے کی خطرناک بلا میں مبتلا ہو کر تمام اُمت کی تحقیر اور تمام تحقیقاتِ اُمت کا استخفاف اور تمام سلفِ صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لے کر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لیے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ہے، جو بچپن ہی سے طباع وذہین، مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ابتدا میں اخبار ''مدینہ'' بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' سے وابستہ رہے، پھر چند سالوں کے بعد اخبار ''الجمعیة'' دہلی میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، دہلی سے نکلتا تھا، غالباً سہ روز تھا۔ تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب وتاب سے نکلتے تھے، اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعہ ہوتی گئی۔ والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے، بلکہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں

میں رہ گئے، نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہوسکے، پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہوگئی، اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلّات دجرائد سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی، بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کرسکے، نہ جدید علم کے گریجویٹ بن سکے، نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہوسکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے، جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا، بلکہ بدنصیبی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد وزندیق کی صحبت نصیب ہوئی، ان سے دوستی رہی، ان کی صحبت ورفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات ومیلانات پیدا ہوگئے۔ حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جاری کیا، آب وتاب سے مضامین لکھے، بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی وقلمی چیزیں اُبھرنے لگیں۔ ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی، تحریکِ آزادیِ ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی، ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے۔

علمائے کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی۔ رفتہ رفتہ علماءِ اُمت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کا مطالعہ فرماکر ایک مبسوط رسالہ مرتبہ فرمایا، لیکن افسوس کہ طبع نہ ہوسکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرس مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب مودودی صاحب کی طرف مائل ہوگئے تھے، ان کی اصلاح کے پیشِ نظر ایک مکتوب لکھا جو ''فتنۂ مودودیت'' کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔

خلاصۂ کلام

مودودی صاحب کی بہت سی چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سی ناپسند بھی، لیکن عرصہ

دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید اندازِ بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے۔ اگرچہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں نا قابلِ برداشت باتیں بھی آئیں، لیکن دینی مصلحت کے پیشِ نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا، لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالم گیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے۔ صحابہ کرامؓ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے۔ آخر ''تفہیم القرآن'' اور ''خلافت وملوکیت'' اور ''ترجمان القرآن'' میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلاشبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہدِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اگرچہ چند مفید ابحاث بھی آ گئیں ہیں ''وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا'' والی بات ہے۔ اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرمِ عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا اور اب وقت آ گیا ہے کہ بلاخوف لومۃ لائم الف سے یاء تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کر کے جو حق وانصاف ودین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے۔ واللہ سبحانہٗ ولي التوفيق

مکاتیب حضرت شیخ الحدیثؒ بنام حضرت بنوریؒ

بسلسلۂ خاتمۂ شرور وفتن

از حضرت شیخ الحدیثؒ

المخدوم المکرم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب زاد مجدھم

بعد سلام مسنون!

مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی و بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں، جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس ''دارالعلوم دیوبند''، ''مظاہر العلوم''، ''شاہی مسجد مراد آباد'' وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے۔ انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اَب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہلِ مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا۔ مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دار

العلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں، اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہلِ مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔ روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شرور وفتن اور تباہی د بر بادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ، میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء و تحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحابِ نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہو گئی وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لیے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے، مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا۔ البتہ اہلِ مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو، اور ذکر کے لیے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس نا کارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہوکر، ان کے کھانے پینے کے انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہلِ مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا، اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا، اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگر چہ نہ ہو، مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے۔ میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دوسو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے۔ ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں۔ عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں، داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں اکابر کے زمانہ سے جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس نا کارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہلِ مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی۔ اس نا کارہ کے رسالہ "فضائل ذکر" میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب "الوابل الصیّب" سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کیے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں۔ "فضائلِ ذکر" سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمونِ بالا کی تقویت ہوگی۔ اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہلِ مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دارالعلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحابِ ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے، انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں۔ یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسنِ خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

والسلام
حضرت شیخ الحدیث، بقلم حبیب اللہ
۳۰ نومبر ۷۵ء، مکۃ المکرمۃ

حضرت مولانا بنوریؒ نے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

مخدومِ گرامی مفاخر ہذہ العصور حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ تعالیٰ درجاتہٖ وأفاض علینا من برکاتہٖ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب سے میں کراچی پہنچا ہوں، عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا رہتا ہوں، لیکن توفیق نہیں ہوئی۔ ایک طرف مشاغل کا ہجوم، دوسری طرف کسل کا ہجوم، آپ کو تو حق تعالیٰ نے حسنِ نظم کی توفیق عطا فرمائی ہے، ہر کام وقت پر ہو جاتا ہے، میں اس نعمت سے محروم ہوں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، آمین

عزیزم محمد سلمہٗ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا، دوبارہ خود بھی پڑھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت وزیارت کے لیے دارالعلوم گیا تھا، وہاں بھی میں نے ذکر کیا، فرمایا کہ: زبانی بھی اس کا تذکرہ آیا تھا۔ اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوریٰ کا اجلاس تھا، اس مجلس میں مکتوب مبارک سنایا گیا اور عمل کرنے کے لیے تدبیر ومشورہ پر غور بھی ہوا، بات تو بالکل واضح ہے، ذکر اللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کے لیے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسے کے ساتھ ایک خانقاہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے اکابر کا جو اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمے تھے وہ محتاجِ بیان نہیں، ان کی تدریس و تعلیم سے غیر شعوری طور پر ایسی تربیت ہوتی تھی اور ان کی قوتِ نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آ رہا ہے، بلا شبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لیے اسی قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل نصیب فرمائے۔

البتہ ایک اشکال ذہن میں آیا کہ ویسے تو علومِ دین، تدریسِ کتبِ دینیہ سب ہی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں، اگر اخلاص اور حسنِ نیت نصیب ہو۔ اور ذکر اللہ بھی اگر خدانخواستہ ریا کاری سے ہو تو عبث بلکہ وبالِ جان ہے، لیکن اگر کسی درسگاہ میں تعلیم قرآن کا شعبہ بھی ہے اور بچے تعلیم قرآن اور حفظ قرآن میں مشغول ہیں اور الحمدللہ کہ ایسے مدارس بھی ہیں جہاں معصوم بچے اور مسافر بچے شب و روز میں بلا شبہ بارہ گھنٹے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے ہیں۔ مقصد بھی الحمدللہ بہت اونچا اور نیت بھی صالح تو کیا یہ ذکر اللہ ان ذاکرین کے ذکر کی جگہ پر نہیں کر سکتے؟ اور یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری و ساری ہے، تو الحمدللہ اچھا خاصا بدل مل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عہدِ نبوت میں یہ سلاسل و طرق کا نظام تو نہیں تھا، بلکہ تلاوتِ قرآن کریم مختلف اوقات و اعمال کے افکار وادعیہ، پھر صحبتِ مقدسہ، قیامِ لیل وغیرہ کی صورت تھی، بظاہر اگر اس قسم کی کوئی صورت مستقل قائم ہو شاید فی الجملہ بدل بن سکے گا۔ ہاں! یہ درست ہے کہ ذکر تبعاً ہوگا، بصورتِ مشائخِ طریقت ذاکرین کا سلسلہ شاید قصداً و ارادۃً ہوگا، شاید کچھ فرق ملحوظِ خاطر عاملہ ہوگا۔

بہرحال مزید رہنمائی کا محتاج ہوں، مجھے اپنے ناقص ہونے کا بے حد افسوس ہے، کاش! رسمی تکمیل ہو جاتی تو محض افادیت و نفع کی غرض سے متعارف سلسلہ بھی جاری کرتا، اور اس طرح ایک خانقاہی شکل بھی بن جاتی۔ یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلبہ تعلیم کے زمانے میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد دردناک ہے۔ جب مدرسین بھی اس اقویٰ نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلبہ بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں، اذکار وادعیہ

کا التزام بھی نہ ہو، دورفتنوں کا ہو، ''حفت النار بالشهوات'' کا منظر قدم قدم پر ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ میں آپ کی خاص دعوات وتوجہات کا محتاج ہوں، وقت کے ضیاع کا صدمہ ہے، لایعنی باتوں میں مشغولیت کا خطرہ رہتا ہے۔

والسلام مع العرف الاحترام مسك الختام

۹ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ

جواب از حضرت شیخ الحدیثؒ

المخدوم المکرم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب زاد مجدھم

بعد سلام مسنون!

طویل انتظار کے بعد رات عشاء کے بعد ۲۰ جنوری کی شب میں رجسٹری پہنچی، آپ کے مشاغل کا ہجوم تو مجھے بہت معلوم ہے اور آپ کی ہمت ہے کہ بیک وقت اتنے مشاغل کو کس طرح نمٹاتے ہیں؟! سیاسی، علمی اور اسفار اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ رجسٹری کہیں گم نہ ہوگئی ہو۔ عزیز محمد سلمہٗ کسی آنے والے کے ہاتھ آپ کی خدمت تک اس کا پہنچ جانا لکھ دیتا تو اطمینان ہوتا۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی مجلس شوریٰ میں میرے عریضہ کو سنایا، کم سے کم ان سب حضرات کے کانوں میں تو یہ مضمون پڑ گیا۔ خدا کرے کسی کے دل میں بھی یہ مضمون اُتر جائے۔ تقریباً دو سال ہوئے مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک خط آیا تھا، انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ: تیری آپ بیتی میں مدرسین اور ملازمین کے لیے جو مضمون ہے مجھے بہت پسند آیا، اور میں نے اپنے یہاں سب مدرسین اور ملازمین کو جمع کرکے بہت اہتمام سے اس کو سنوایا۔

عزیز محمد کے خط سے معلوم ہوا کہ جناب نے میرا خط اپنی تمہید کے ساتھ بینات میں طباعت کے لیے دے دیا، مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنے عریضہ میں لکھا تھا کہ آپ اپنے الفاظ میں اس مضمون کو تحریر فرمائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ زیادہ موثر ہوگا۔ اس میں کوئی تواضع یا تصنع نہیں کہ میری تحریر بے ربط ہوتی ہے کہ بولنے کا سلیقہ نہ لکھنے کا۔ آپ نے اپنے اکابر کے متعلق جو

لکھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے۔ بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے دور سے ان اکابر کو بہت کثرت سے دیکھنے کی نوبت آئی، بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت، اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعلق بہت سے جاہلوں کو میں نے خود دیکھا کہ بیعت ہونے کے بعد تہجد نہیں چھوٹا اور بعض جاہلوں کو تو یہاں تک دیکھا ہے کہ کوئی نیا مولوی اپنے وعظ میں کچھ اِدھر اُدھر کی کہہ دیتا تو وہ آ کر پوچھتے کہ فلاں مولوی صاحب نے وعظ میں یوں کہا ہے۔

ناگل کے قریب ایک گاؤں تھا، اس وقت نام تو یاد نہیں رہا، میرے دوست کہتے ہیں کہ آپ بیتی میں یہ قصہ آ گیا ہے، یہاں کے ایک رہنے والے جن کو میں شاہ جی کہا کرتا تھا، ہر جمعہ کو سردی ہو یا گرمی میں یا بارش ہو ہر جمعہ کو ناگل سے پیدل چل کر جمعہ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں پڑھا کرتا تھا اور جمعہ کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں شریک ہو کر عصر سے پہلے چل کر عشاء کے بعد اپنے گھر پہنچ جایا کرتا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ کا قصہ تو مشہور ہے کہ جمعرات کی شام کو مدرسے کا سبق پڑھا کر ہمیشہ پیدل گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے اور شنبہ کی شب میں عشاء کے بعد یا تہجد کے وقت گنگوہ سے چل کر شنبہ کی صبح کو دیوبند میں سبق پڑھایا کرتے تھے۔ یہ مناظر آنکھوں میں گھومتے ہیں اور دل کو تڑپاتے ہیں۔

آپ نے جو اشکال کیا وہ بالکل صحیح ہے، مگر اس تالی کے ساتھ مقدم کا تحقق ہو جائے تو سب کچھ ہے۔ یقیناً قرآن پاک کی اور حدیث کی تعلیم تو بہت اونچی ہے اور اس میں سب کچھ ہے، اس کا مقابلہ کوئی چیز کر سکتی ہے؟!

مگر تابعینؒ کے زمانے سے قلبی امراض کی کثرت ہے، اس زمانے کے مشائخ کو ان علاجوں کی طرف متوجہ کیا، جیسا کہ امراضِ بدنیہ میں ہر زمانے کے اطباء نے نئے نئے امراض کے لیے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں، ایسے ہی اطبائے روحانی نے قلوب کے زنگ کے لیے ادویہ اور علاج تجویز کیے، میری نگاہ میں بھی ایسے اشخاص گزرے ہیں جو دورہ سے فراغ پر صاحبِ نسبت ہو

جاتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے ہم نے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلوب میں تغیر پانے لگے، أو کما قال۔

اس قوتِ تاثیر کا نمونہ اُمت کے افراد میں بھی پایا گیا، چنانچہ حضرت سید صاحبؒ کے لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جن کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت مل گئی، اس کے نظائر تو آپ کے علم میں مجھ سے زیادہ ہوں گے۔ حضرت میاں جی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے یہاں تلاوتِ قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے، مگر یہ چیز تو قوتِ تاثیر اور کمالِ تاثر کی محتاج ہے، جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا، کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر و شغل کی ضرورت نہیں، یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواعِ علاج ہیں، جیسا ڈاکٹری، یونانی، ہومیو پیتھک وغیرہ، اطبائے بدنیہ نے تجربوں سے تجویز کیے ہیں۔

اسی طرح اطبائے روحانی نے بھی تجربات یا قرآن و حدیث کے استنباطات سے امراضِ قلبیہ کے علاج تجویز فرمائے کہ قرآن پاک و احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں، لیکن جس کو پہلے معدے کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کے لیے ہی دوا دیں گے، ورنہ یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ: مزید رہنمائی کا محتاج ہوں، میں آپ کی کیا رہنمائی کر سکتا ہوں:

او کہ خود گم است کرا رہبری کند؟!

چونکہ طلبہ میں اب (جیسا کہ آپ نے بھی لکھا) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی، بلکہ بعض میں تو انکار اور استکبار کی نوبت آ جاتی ہے، اسی لیے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لیے کوئی لائحہ عمل آپ جیسے حضرات غور سے تجویز فرمائیں۔

پہلے ہر شخص کو اپنی اصلاح کی خود فکر تھی، وہ خود ہی امراض کے علاج کے لیے اطباء کو

ڈھونڈتے تھے، اب وہ امراضِ قلبیہ سے اتنے بیگانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے، کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانانِ رسول کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں، ورنہ اہلِ مدارس کو سب کو ان کے تجربات خوب حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیرِ اولیٰ کے اہتمام کے بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت ہی جاتی رہتی ہے، فإلی اللہ المشتکٰی.

آپ نے تو میرے مافی الضمیر کو خود ہی اپنی تحریر میں واضح فرما دیا، آپ جیسے ناقص تو ہم جیسے کاملوں سے بہت اونچے ہیں، میرا واضح مطلب تو آپ اور مفتی شفیع صاحب وغیرہ بقیۃ السلف کو اس لائن کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ یہ پہلو بھی آپ کے ذہن میں رہے تو زیادہ اچھا تھا۔

میری بے ربط تحریرات تو اشاعت کے قابل نہیں ہوتیں، آپ حضرات حسنِ تدبیر، حسنِ رائے سے مدارسِ عربیہ کے طلبہ کو کم سے کم قرآن وحدیث کی عظمت اور اس سے محبت پیدا کرنے والے کی کوئی تجویز فرمائیں، تو بہت حد تک اصلاح کی امید ہے، ورنہ آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائکوں سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

فقط والسلام

از حضرت شیخ الحدیث صاحب، بقلم حبیب اللہ

[۲۰ جنوری ۷۶ء، مدینہ طیبہ]

اس پر حضرت بنوریؒ کا جواب آیا:

مخدومِ گرامی حضرت شیخ الحدیث زادھم اللہ برکات وحسنات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً

والا نامۂ گرامی نے ممنون ومشرف فرمایا، جواب میں حسبِ عادت تاخیر ہوتی جاتی

ہے، اب تو یہ تقصیر عادت ہی بن گئی، الحمدللہ! کہ قلمی ہے، قلبی نہیں۔ سابق مکتوبِ برکت مختصر تمہید کے ساتھ بینات میں شائع ہوگیا، آپ کے کلمات میں جو تاثیر ہوگی، ہماری روایت بالمعنیٰ اور تشریح میں کہاں وہ برکت؟! اس لیے ان کلمات کو بعینہا شائع کرنا قرینِ مصلحت سمجھا اور اس لیے تعمیلِ حکم سے ادباً قاصر رہا، میں تو کسی کی جوتیوں کے صدقے کچھ لکھ لیتا ہوں، ورنہ اردو کہاں اور ہم کہاں؟ خیر حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جواب سے سرفراز فرمایا اور بہت کچھ باتیں آجاتی ہیں اور ہمیں اور دوسروں کو استفادے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

لیکن مخدومی! میرا مقصد طرق وسلاسل ومشائخ کے اذکار واعمال واشغال ومراقبات ومجاہدات کی افادیت ہرگز نہ تھا، الحمدللہ کہ ان پر قلب مطمئن ہے کہ امراضِ نفوس کا بھی علاج ہے اور ان تدابیر کے سوا چارہ کار نہیں اور اگر امراض نہ ہوں تو شارع علیہ السلام نے جو غذائے روحانی مقرر فرمائی ہے اور فرض قرار دے دیا ہے وہی نسخۂ شفاء ہے، مزید کی حاجت ہی نہیں۔ مقصد شبہ کا صرف اتنا نہ تھا کہ ذکر اللہ کی برکات وانوار تو بہرحال درسِ قرآن، حفظِ قرآن، تلاوتِ قرآن سے حاصل ہوجاتے ہیں، طلبہ کے نفوس کا علاج وہ نہیں، بلاشبہ اس کے لیے مخصوص طرقِ علاج کی ضرورت ہے۔ اس لیے گزارش کی تھی کہ ہر درس گاہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی بھی ضرورت ہے، جو طلبہ فارغ ہوں اس سے وابستہ ہوں اور کچھ عرصہ اسی مقصد کے لیے اقامت بھی کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی خواہش پر ذاکرین کے اجتماع اور اجتماعی ذکر کی تدبیر کی گئی، اس ہفتہ اس کا افتتاح بھی ہوجائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

کچھ طلبہ ہفتہ وار مکی مسجد بھی جایا کرتے ہیں، اِمسال جو طلبہ فارغ ہوں گے، تیرہ (۱۳) طلباء نے ایک سال کے لیے تبلیغ میں وقت لگانے کا عزم کرلیا ہے اور نام بھی لکھوا دیئے ہیں اور ایک چلے والے تو بہت ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اگر آپ کی دعائیں اور توجہات دونوں شامل حال رہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ! مافات کی تلافی ہوتی رہے گی۔ آپ کا دوسرا گرامی نامہ بھی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے چند اساتذہ کے مجمع میں سنادیا، بہت محظوظ ہوئے، وہ آپ کی تدبیر و

تجویز پر عمل کرنا سوچ رہے ہیں، بہت عجلت اور تشویشِ خاطر میں چند سطریں گھسیٹ دی ہیں، تاکہ مزید تاخیر نہ ہو۔

والسلام

محمد یوسف بنوری

۳ صفر ۱۳۹۶ھ

جواب از حضرت شیخ الحدیثؒ

المخدوم المکرم حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب بنوری زادت معالیکم

بعد سلام مسنون!

گرامی نامہ مؤرخہ ۳ صفر بذریعہ رجسٹری پہنچا اور بینات کا وہ پرچہ بھی پہنچ گیا جس میں جناب نے اس ناکارہ کا وہ خط بھی طبع کر دیا، میں نے لکھا تھا کہ میرا مضمون بعینہ نہ چھاپا جائے، بلکہ میرے مضمون کو اپنے الفاظ میں مفصل تحریر فرمائیں، وہ محض تواضع نہیں بلکہ تحریر وتقریر پر عدم قدرت مسبأ تھا، مگر جناب کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ جناب نے ازراہِ محبت اس کو بعینہ شائع فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محبت کو طرفین کے لیے دینی ترقیات کا ذریعہ بنائے۔ اس سے بہت مسرت ہوئی کہ جناب نے اس ناکارہ کی درخواست پر خانقاہ کا افتتاح بھی فرمادیا، اللہ تعالیٰ برکت فرمائے، مثمر ثمرات بنائے۔ میرے مضمون پر کوئی تائید یا تنقید کسی کی طرف سے آئی ہو تو مطلع فرمائیں، کسی اور مدرسے نے اس پر توجہ کی یا نہیں؟

یہ اُمنگیں تو میرے سینے میں کئی سال سے چل رہی ہیں اور اپنی طرف سے تدبیریں بھی اس کی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں، مگر ذکر کی طرف توجہ اب کم ہوتی جارہی ہے اور چونکہ اکابر کے زمانے سے طلبہ کو اس سے الگ رکھا گیا، اس لیے عام طور سے ذہنوں میں اس کی اہمیت بھی کم ہوتی جارہی ہے، طلبہ کو الگ رکھنا تو میرے ذہن میں اب بھی ہے، لیکن مدرسوں میں اس کا سلسلہ

قائم کرنے کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی بہت اہتمام سے اس پر لبیک فرمائی تھی اور شروع کرنے کا وعدہ بھی فرمالیا تھا، آپ کی مساعی جمیلہ سے اگر مدرسوں میں ذکر کا سلسلہ شروع ہو گیا تو میرا خیال ہے کہ بہت سے فتنوں کا سدباب ہو جائے گا۔

مصر سے مولوی عبدالرزاق صاحب کا خط آیا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ ''فتنۂ مودودیت'' کی تعریب کے کام میں مشغول ہیں، انہوں نے شاہد کے نام ایک پرچہ بھیجا تھا، جس میں اس کی روایاتِ حدیث کا حوالہ لکھنے کو لکھا تھا، عزیز شاہد ان کو لکھ رہا ہے، یہاں کتابیں کم ملتی ہیں، بلکہ زیادہ تر مصری ملتی ہیں، اس لیے اس کی تلاش میں دیر لگ رہی ہے۔ میرے مسودہ پر تو صفحات سب پڑے ہوئے ہیں، مگر میرے مسودات میں کتابیں وہی ہوتی ہیں جو بہت قدیم چھپی ہوئی ہیں، ان ہی میں پڑھا پڑھایا اور ان ہی سے دلچسپی ہے۔ میری ابوداود وہ ہے جس میں میرے والد صاحب نے ۱۲ھ میں حضرت گنگوہیؒ سے ابوداود شریف پڑھی، بہت قدیم نسخہ ہے، اسی میں انہوں نے پڑھایا، وہی پھر میرے پاس رہا۔ نئی مطبوعات باوجود بہت واضح اور صاف ہونے کے مجھے مناسبت انہی کتابوں سے ہے جو بہت پرانی ہیں، نئی کتابیں میرے لیے ایسی ہی اجنبی ہیں جیسے ممالکِ عربیہ والوں کے لیے لیتھو کی طباعت۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جناب کی صحت وقوت میں اضافہ فرمائے اور اپنی رضا و مرضیات پر زیادہ سے زیادہ کام لے۔

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث، بقلم حبیب اللہ

۱۶ فروری ۷۶ء، مدینہ طیبہ

[آپ بیتی، ج: ۲، حصہ: ۷، ص: ۱۴۱۴ تا ۱۴۳۴]

عالمگیر فتنوں کے مقابلہ کے لیے تبلیغی جماعت کا وجود

الغرض اس دور میں یہ علمی و عملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں۔ ہمارا ملک نسبتاً ان سے مأمون ومحفوظ تھا، لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے، کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے، نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال و دولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

اب میں ایک ضروری مضمون عرض کر کے ختم کرتا ہوں، ایک دفعہ مکی مسجد (کراچی) جانا ہوا، میں کبھی کبھی وہاں چلا جاتا ہوں، وہاں تبلیغی حضرات نے مجھے پکڑ لیا اور کچھ بیان کرنے کی دعوت دی، میں نے سوچا: کیا بیان کروں؟ بولنا مجھے آتا نہیں، خیر میں ان حضرات کے اصرار پر بیٹھ گیا، ''الحمد للہ رب العلمین'' کی آیت پڑھی، بس پھر کیا تھا قرآن کی برکت سے سینہ کھل گیا، عجیب وغریب مضامین ذہن میں آئے، کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بیان ہوا۔ تفصیل تو مجھے اب یاد نہیں رہی، کچھ مضمون یاد ہے، وہی اس موقع پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: اللہ جل ذکرہٗ عالمین کا رب ہے، اس کی ربوبیت کے کرشمے ظاہر ہیں، لیکن اتنے عجیب وغریب کہ عقل حیران ہے، جسمانی ربوبیت کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں، صرف روحانی ربوبیت کو دیکھئے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے، علماءِ اُمت کی مساعی اوّل تو ناکافی ہیں، پھر جتنی کچھ ہیں وہ بھی کامیاب نہیں اور نئی نسل کی تباہی اور گمراہی کے لیے بیسیوں فتنے موجود ہیں۔ تھیٹر، سینما،

وغیرہ، وغیرہ اخلاق کی قربان گاہ تھے ہی، اب تو بے دینی کے انتہائی غلبہ اور تسلط کی وجہ سے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا بھی جو حال ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ اخبارات میں روزانہ اس کی خبریں آپ پڑھتے ہیں، اس کے علاوہ وہ ممالک جو فحاشی اور بے حیائی کے مرکز ہیں، امریکہ، برطانیہ وغیرہ، ان ممالک سے مواصلات اور رسل ورسائل کی آسانی کی وجہ سے فتنوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔

باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت

الغرض ان حضرات کی برکت سے پوری بات ذہن میں آ گئی، میں ان تبلیغی حضرات کے اخلاص کا بڑا معتقد ہوں۔ اب بھی بعض مخلصین کی وجہ سے بول رہا ہوں، ورنہ مجھے بیان کرنا نہیں آتا، تو دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا کرشمہ یوں ظاہر ہوا ہے کہ ان عالمگیر فتنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کا یہ نظام جاری فرما دیا۔ یہ وہ نظام ہے جو عالمگیریت چاہتا ہے، اس میں عالم بھی کھپ جاتا ہے اور اَن پڑھ بھی، امیر بھی اور غریب بھی، تاجر بھی اور صناع بھی، کالا بھی اور گورا بھی، مشرقی بھی اور مغربی بھی، اگر اس زمانے میں یہ تبلیغی نظام جاری نہ ہوتا تو گویا اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا کمال ظاہر نہ ہوتا، ورنہ ہمارے مدارس، تعلیمی ادارے، اسکول اور کالج جتنے آدمی تیار کرتے ہیں وہ تو اس عالمگیر سیلاب کے لیے کافی نہیں تھے۔ یہ تبلیغ والے ایک گشت لگاتے ہیں، سیلاب کے طریقہ سے آتے ہیں اور دو، چار، پانچ، دس آدمیوں کی ہدایت کا سامان بن جاتے ہیں، کہیں کسی کو امریکہ سے پکڑ لاتے ہیں، کہیں لندن سے۔ تبلیغی نظام کی برکات آپ کے سامنے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کی ہدایت کے لیے یہی نظام ذریعہ بن گیا، تو اللہ پاک نے تبلیغی جماعت کا جو نظام جاری فرمایا ہے، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی روحانی ربوبیت کا ایک کرشمہ ہے، جو اللہ پاک نے اس اُمت کے اندر ظاہر فرما دیا ہے، تاکہ اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ میرے پاس فرصت نہ تھی۔ اللہ نے یہ نظام ہی ایسا جاری فرمایا کہ مشغول سے مشغول آدمی بھی اس میں کھپ سکتا ہے،

اس نظام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ سبق دیا کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچانا ہے، اگر کسی کو ''لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله'' یاد ہے، وہ یہی دوسرے بھائی کو سکھا دے، کسی کو ''سبحانك اللّٰهم'' یاد ہے وہ سکھا دے، کیونکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو یہ بھی یاد نہیں تو اللہ رب العالمین کی ربوبیت کا جیسا مادی نظام ہے ایسا ہی تبلیغی جماعت کا وجود میرے نزدیک روح کی غذا اور آخرت کی تیاری کے لیے اللہ تعالیٰ کا روحانی نظام ربوبیت ہے۔ یہ ایک مختصر متن ہے جس کی شرح پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، اس لیے میں آپ حضرات سے یہی عرض کروں گا کہ آپ اس جماعت سے تعلق رکھیں، خدا تعالیٰ آپ کو توفیق دے، آپ دنیا کے اندر انقلاب پیدا کر دیں گے۔ فرض شناسی اور دین پر چلنے کی ہمت آپ میں پیدا ہوگی اور اس کی وہ لذت، فرحت اور مسرت آپ کو حاصل ہوگی کہ:

لذتِ ایں بادہ بخدا نشناسی تا نہ چشی

ترجمہ: ''خدا کی قسم! اس شراب کی لذت کو تم اس وقت تک محسوس نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اس کو چکھ نہ لو۔''

اور سچ پوچھئے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں وہ لذت، وہ سرور اور وہ اطمینانِ قلب رکھا ہوا ہے کہ بے چارے بادشاہوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ وہ دولت ہے جو آج دنیا میں مفقود ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کو خبر نہیں کہ ان بوریا نشین فقیروں کے پاس سکونِ قلب کی کتنی بڑی دولت ہے، ان کا حال تو وہی ہے جو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے:

''وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ.''(۱)

''اور بے شک جہنم محیط ہے کافروں کو۔''

آخرت میں تو جہنم ان کو گھیرے ہوئے ہوگی ہی، یہ دنیا بھی ان کے لیے سراپا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ تو اللہ جل ذکرہٗ نے تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہدایات کا سامان پیدا کر دیا ہے اور

۱:..... التوبۃ:۴۹

آپ کے لیے اپنی اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کی صورت پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں، تاکہ ہماری زندگی درست ہو جائے، ہماری ساری زندگی آخرت کے لیے بن جائے اور ہمیں آخرت کی جاودانی زندگی نصیب ہو جائے۔

فریضۂ دعوت وتبلیغ.... مسلمانوں کی حیاتِ نو

افسوس ہے کہ "قرون مشهود لها بالخير" کے بعد اُمت دعوت وتبلیغ میں بہت مقصر رہی ہے اور اب تو اس بنیادی چیز کو چھوڑ کر دوسری چیزوں ہی کو مقصود بنالیا۔ بلاشبہ سلاطینِ اسلام نے سیف وسنان اور جہاد وقتال کے بہت سے کارنامے انجام دیئے اور اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، لیکن اسلام کے بتائے ہوئے اہم اصول "اخلاقی دعوت وتبلیغ" کے راستے سے اسلام کو پھیلانے کی کوششیں بہت کم ہوئیں، ورنہ دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، اسلام کا وہ نور جو دعوت وتبلیغ کے راستہ سے دلوں میں اُترتا ہے وہ بڑا قوی، پائیدار اور بابرکت ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو اسلامی پرچم عطا فرماتے ہوئے جو ہدایت فرمائی اسے صحیح بخاری شریف کے الفاظ میں سنئے:

"انفذ على رسلك حتى تنزل بسا حتهم ثم ادعهم إلى الإسلام وأخبر هم بما يجب عليهم من حق الله فيه، فوا الله لأن يهدي بك الله رجلا واحدا خير لك من حمر النعم." (۱)

"اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے قریب جا کر فروکش ہو جاؤ، پھر انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور اللہ کی جانب سے اسلام لانے کا جو حق ان پر عائد ہوتا ہے اس سے انہیں آگاہ کرو، پس خدا کی قسم! اگر تیری وجہ سے

۱:..... صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ج:۲،ص:۶۰۶، ط: قدیمی

ایک آدمی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیصلہ فرمادیں، یہ تیرے لیے
سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

اسلام تو دراصل نام ہے اس دین کا جس کی بنیاد ہی دعوت و تبلیغ پر قائم ہے، جس کا سب سے بڑا سرمایہ شفقت و رحمت اور محبت و مودت ہے اور جس کا پیغام امن و سلامتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چودہ سال صرف دعوت و تبلیغ، اصلاح و تزکیہ اور قلوب میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو پختہ کرنے کے لیے مختص تھے۔ جب دعوت و تبلیغ کا کام اپنی آخری حد کو پہنچ گیا، اسلام کی صداقت اور اس کی اخلاقی قوت ہر خاص و عام کے سامنے روزِ روشن کی طرح کھل کر واضح ہوگئی اور باطل پھر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا اور جب ہر طرح کی ہمدردانہ کوششیں ناکام ہوگئیں اور مسلمانوں کو اہلِ عناد کی دسیسہ کاریوں سے انتہائی مجبورکن حالات کا سامنا کرنا پڑا تو جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی اور حکم ہوا کہ اب باطل کا کانٹا صاف کردیا جائے اور فتنہ پردازوں کے وجود سے خدا کی زمین کو پاک کردیا جائے، چنانچہ اعلان کردیا گیا:

"اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِ هِمْ لَقَدِيْرٌ." (۱)

"اب لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے کافروں کی طرف سے لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

بہرحال کہنا یہ ہے کہ جب تک اصلاحِ نفوس اور تزکیۂ قلوب کی قرآنی دعوت کے اصول پر جم کر کام نہ کیا جائے تب تک اصلاح کی توقع بے سود ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ مقولہ جو عام طور پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، آج بھی اپنی جگہ عین حقیقت ہے، فرمایا:

۱:.... سورۃ الحج: ۳۹

”لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها.“[1]

”آخری دور میں بھی اس اُمت کی اصلاح صرف اسی نہج پر ہو سکے گی جس نہج پر پہلے دور میں اس کی اصلاح ہوئی۔“

قرآن اصول کے مطابق اسلامی دعوت کو جب تک عام نہیں کیا جاتا، جب تک اس کام کو کام سمجھ کر یہ اُمت اس دعوت کے لیے نہیں اُٹھ کھڑی ہوتی اور جب تک اس دعوت کی آواز گھر گھر نہیں پہنچتی، تب تک اصلاح ممکن نظر نہیں آتی، اُمت کی حیاتِ نو اور نشاۃِ ثانیہ کا بس یہی ایک طریقہ ہے، اس کے علاوہ جتنے طریقے اپنائے جائیں گے ان سے اگر کسی قدر فائدہ ہوگا بھی تو محض عارضی، وقتی، ناپائیدار اور غیر مستقل ہوگا۔

فریضۂ دعوت وتبلیغ میں کوتاہی

عرصہ دراز سے اُمتِ محمدیہ سے ایک اہم تقصیر ہو رہی ہے اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑ گئی تھی، یعنی ”تبلیغ دین“ اور ”دعوت الی اللہ“ میں قابلِ حسرت کوتاہی ہو رہی ہے۔ دعوت وہدایت دینِ اسلام کا اساسی اصول ہے، جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں تو ”جہاد وقتال“ کی نوبت آتی ہے۔ قرونِ اولیٰ کے سلفِ صالحین گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے، قوتِ بیانی سے پہلے اخلاقی وایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے۔ ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت، اسلامی مواسات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ دنیا میں اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دینی حسن وجمال اور حسنِ اخلاق کے کمال سے پھیلا، تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ صاحبِ انصاف وصاحبِ عقل وبصیرت مؤرخ اس سے بے خبر نہیں۔ اگر مسلمان اس اہم فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا۔ تکوینی مصالح تو حق تعالیٰ ہی جانتا ہے، تاہم دنیا

۱:..... الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، الباب الثانی فی مناقب امیر المومنین ابی حفص عمر بن الخطاب، ذکر وصف علی لہ بما یتاھل معہ للخلافۃ، ج:۲، ص:۳۰۲، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت

کے مزاج میں کفر و اسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیر پا اسلام وہی رہا جو دعوت وارشاد کے راستوں سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضراتِ صحابہؓ کے عہدِ میمون میں جو ممالک اسلام کے زیرِ نگیں آئے وہ آج تک اسلام پر قائم ہیں اور بعد میں سلاطینِ اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام سے نکلتے جارہے ہیں۔ نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مفتوحہ ممالک میں عقائد کی پختگی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال واخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ غالب ہے۔ اس کے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطینِ اسلام اور ملوکِ اسلام کے زورِ تلوار سے فتح ہوئے ہیں ان میں عقائد کی خامی واضح ہے۔ اگر کہیں اعمالِ ظاہری میں بظاہر پختگی بھی نظر آئے تو کرید نے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہوچکا ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہوجاتا ہے۔ دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص نمایاں تھا، انہوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا: ''لتکون کلمة الله هي العليا'' تاکہ صرف حق تعالیٰ کا دین غالب ہو، اس لیے ان فتوحات کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا، بلکہ ملوکیت اور شان وشوکت کی آمیزش تھی، اس لیے وہ دینی تصلُّب حاصل نہ ہوسکا۔ کہنا یہ تھا کہ دعوت وارشاد میں اُمت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے، اسی تقصیر کے نتیجے میں ہے۔

تبلیغی جماعت اور اس کے شاندار اثرات

حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی روح پر، جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں ہی فنا ہوگئے۔ اگر کوئی فنا فی اللہ، فنا فی الرسول اور فنا فی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہو تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح فنا فی التبلیغ ہوگئے تھے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے بس یہی فکر ہی دامن گیر تھی۔ تمام زندگی اور

تمام افکار وانفاس بس اسی مقصد کے لیے وقف تھے۔حق تعالیٰ نے ان کی جانفشانی وقربانی، ایثار واخلاص اور جدو جہد کو قبول فرمایا اور چار دانگ عالم میں اس کے ثمرات وبرکات پھیل گئے۔ شاید روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہا ہو گا جہاں ان کی جماعت کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ ماسکو، فن لینڈ و اسپین سے لے کر چین و جاپان تک ان قافلوں کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقِ دعوت سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔اس کا انتظار نہیں کہ لوگ خود آئیں گے اور دین سیکھیں گے، بلکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں چل پھر کر اور گھر گھر لوگوں کے پاس پہنچ کر دعوت دی جاتی ہے اور زبان سے، حسن اخلاق سے اور اپنے طرزِ عمل سے دعوت دی جاتی ہے، سر سے پیر تک اسلامی مجسمہ بن کر اسلام کا عملی نمونہ پیش کیا جاتا ہے، اس لیے اس کا اثر یقینی ہوتا ہے۔

سادہ اور عملی دعوت کا نمونہ: تبلیغی جماعت

آج اُمت تقریر وتحریر کی محتاج نہیں، یہ بہت کچھ ہو چکا ہے، ضرورت عملی نمونہ پیش کرنے کی ہے، فصاحت وبلاغت کا دریا اُمت بہا چکی ہے، لیکن آج صرف سادہ عملی دعوت کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ آج تبلیغی جماعت اس پر عمل پیرا ہے۔ بہر حال طبیب خود مریض کے پاس جاتا ہے، اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مریض طبیب کے پاس پہنچے تو علاج ہو، اگر یہ طریقہ عام ہو جائے اور اُمت کی اکثریت یا کم از کم بڑی کثرت اس مقصد کو شروع کر دے تو توقع ہو سکتی ہے کہ اُمت کو نجات مل جائے اور بیڑہ پار ہو جائے۔ اگر اُمت پوری طاقت اسی طرح اصلاح ودعوت پر لگائے اور معاشرے کی اصلاح ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ اقتدار بھی انہی صالح ہاتھوں میں آجائے اور پھر جو کام سالوں میں ہوتے ہیں وہ منٹوں میں ہو جایا کریں۔ بنیادی اصول بھی یہی ہے کہ پہلے معاشرے کی اصلاح کی جائے، اگر اصلاح شدہ معاشرے کے افراد کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہو تو کامیابی یقینی ہے، ورنہ اُمت کا وہی حشر ہو گا جو آج ہو رہا ہے اور اکثریت کے جو نمائندے مسند حکومت پر براجمان ہیں ان کا ''صورت ببیں حالش مپرس'' والا قصہ ہے۔ اس طرح بلاشبہ کچھ دیر تو لگے گی، لیکن قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں دس

پندرہ سال کا عرصہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ آج قوم کی کشتی جس خطرناک بھنور میں پھنس گئی ہے، روزانہ اخبارات کے صفحات میں اس کو دیکھئے اور پڑھئے، حیرت واضطراب کی کوئی انتہاء باقی نہیں رہتی، لے دے کر ایک عالم دین (حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ) مسندِ حکومت پر متمکن ہوا، مگر شیطانوں کے لیے اس کا وجود بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ خدا جانے کتنی مشکلات ان کے لیے پیدا کی جارہی ہیں، کتنے روڑے ان کے راستے میں اٹکائے جارہے ہیں، تمام شیاطین الانس والجن مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ الغرض جب تک معاشرے کی اصلاح نہ ہو جائے، نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟! اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اُمتِ اسلامیہ کی زبوں حالی اور اس کا اصل علاج

تمام اُمتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے، نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے، نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں، مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے، جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جارہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں انہی کو ذریعۂ سعادت خیال کیا جارہا ہے۔ ماسکو ہو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات وسعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے، جو صراطِ مستقیم جنت کو جارہا ہے اس سے بھٹک گئے ہیں۔ نہ معلوم کہ اربابِ عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ اربابِ فکر کیوں فکر سے عاری ہو گئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لیے ہیں؟ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جارہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر اُمت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس اُمت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟ حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف وصریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ ورابطہ، کوئی دین ومسلک قابلِ قبول نہ ہوگا، نجات اسی دین اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح وسعادت ہے، باقی تمام راستے شقاوت وہلاکت اور تباہی وبربادی کے

راستے ہیں اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جارہا ہے:

''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.''(۱)

''اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔''

اور سورۂ عصر میں تاریخِ عالم کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں ایمان باللہ، عملِ صالح، تواصی بالحق، اور تواصی بالصبر، یہ چار باتیں نہیں ہوں گی ان کا انجام تباہی وبربادی ہے۔ کیا اسی اسلام سے روگردانی کی اتنی بڑی سزا پاکستان اور پاکستانیوں کو نہیں ملی کہ چند لمحوں میں بارہ کروڑ آبادی کا عظیم ملک ۵ رکروڑ کا چھوٹا سا ملک بن گیا؟ کیا بنگلہ دیش کے قضیہ سے دونوں طرف کے مسلمان عذابِ الٰہی میں نہیں مبتلا ہوئے؟ اسلامی رابطۂ اتحاد واخوت ختم کر کے کیا دولت کمائی؟ آخرت سے پہلے دنیا کی رسوائی اور خسران وتباہی بھی دیکھ لی۔ افسوس کہ وہی غیر اسلامی سبق پھر یہاں مغربی پاکستان میں دوہرایا جارہا ہے۔ وہی سندھی، پنجابی، بلوچ اور پٹھان کے ملعون نعرے یہاں بھی ابھر رہے ہیں۔ ارحم الراحمین کے غضب کو دعوت دینے والی صورتیں اختیار کی جارہی ہیں۔ طاغوتی طاقتیں جن کا ڈورا باہر کے شیاطن کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگانے کی فکر میں لگ گئے ہیں، فإنا لله وإنا إليه راجعون. نہ اربابِ حکومت مرض کا صحیح علاج سوچ رہے ہیں، نہ اربابِ دین دین کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں، نہ اربابِ قلم زورِ قلم اصلاحِ حال پر خرچ کر رہے ہیں۔ غور کرنے سے یہی معلوم ومحسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کا آخرت پر یقین یا تو ختم ہوگیا، یا اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جنت وجہنم اور حیاتِ ابدی کے تصور سے دل ودماغ خالی ہوگئے ہیں، تمام نعمتیں وآسائشیں صرف دنیا کی چاہتے ہیں، جب مرض یہ ہے یعنی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تو اب رہنمایانِ قوم کا فرض یہ ہے کہ اسی کا تدارک کریں اور اسی کا علاج سوچیں۔ گزشتہ چند

۱:..... آل عمران: ۸۵

سالوں کے تجربات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو طریقہ علاج کا سوچا گیا اور عملاً اس کو اختیار بھی کیا گیا وہ صحیح قدم نہ تھا، اخبارات بھی جاری کیے گئے، جماعتیں بھی بنائی گئیں، جلسے بھی کیے گئے، جلوس بھی نکالے گئے، مظاہرے بھی کیے گئے، جھنڈے بھی اٹھائے گئے، نعرے بھی لگائے گئے، الیکشن بھی لڑے گئے، کچھ ممبر بھی منتخب ہوگئے، اسمبلی ہالوں میں پہنچ گئے، کچھ تقریریں بھی کیں، کچھ تجویزیں بھی پاس ہوئیں، لیکن یہ سب نقار خانے میں طوطے کی آواز بن کر رہ گئے۔ قوم سے چندے کیے گئے کروڑوں روپے خرچ بھی کیے، لیکن قوم جہاں تھی کاش وہیں رہتی، ہزاروں میل پیچھے ہٹ گئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تدابیر اختیار نہ کی جائیں اور یہ بالکل عبث وضیاعِ وقت ہے، لیکن اتنا تو واضح ہوگیا کہ یہ پورا علاج نہیں، یا اصل علاج نہیں اور یہ نسخہ مفید ثابت نہ ہوا، مرض کا ازالہ اس سے نہیں ہوسکا۔

اصلاحِ معاشرہ کا صحیح طریقہ

بہر حال ان سیاسی تدبیروں کے ساتھ اب دینی سطح پر کام کی ضرورت ہے، اگر آپ کا شوق اس کا متقاضی ہے کہ سیاسی تدبیریں اختیار کی جائیں اور سیاسی حربے بھی استعمال ہوں اور آپ کی طبیعت اور ذوق ان وسائل کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں، اگرچہ ہماری دیانت دارانہ رائے یہی ہے کہ ان کی حقیقت ایک سراب سے زیادہ نہیں اور ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' والی مثال صادق آتی ہے۔ وقتی اور سطحی عوامی فائدے ہیں، لیکن تاہم اگر آپ کا ذوق تسلیم نہیں کرتا تو ترک نہ کیجئے، لیکن اصلی اور حقیقی و بنیادی کام اصلاحِ معاشرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور انبیاء کرام اور مصلحینِ اُمت کے طریقوں پر آسمانی ہدایات کی روشنی میں اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنی پوری طاقت انفرادی، اجتماعی اصلاحِ اُمت پر خرچ کی جائے۔ گھر گھر، بستی بستی پہنچ کر دعوت الی الخیر کا ربانی پیغام پہنچائیں، اجتماعات ہوں تو اسی مقصد کے لیے، جلسے اگر ہوں تو اسی بنیاد پر، مجلّات ہوں تو اسی کام کے لیے، اخبارات کے صفحات ہوں تو اسی مقصد کے لیے اور کاش! کہ اگر حکومت کے وسائل حاصل ہوں اور ریڈیو وغیرہ کی پوری طاقت بھی اس پر

خرچ ہو تو چند مہینوں میں یہ فضا تبدیل ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس وقت یہ آرزو تو قبل از وقت ہے کہ حکومت کی سطح پر جو وسائلِ نشر و اشاعت ہیں وہ ایمان کی روح سے آراستہ ہوں اور ایمانی حرارت اور نور اُن میں جلوہ گر ہو، ان کے ذریعہ اصلاح ہو، اب ضرورت اس کی ہے کہ آج کی نسل خدا ترس بن جائے، ان کی اصلاح ہو، آج کی یہی نسل کل حکمران ہو، تمام تر وسائلِ نشر و اشاعت اور خبر رساں ایجنسیاں سب کے سب اشاعتِ اسلام و تزکیۂ اخلاق کے سرچشمے ہوں۔ پوری قوم نہ سہی اکثریت یا قابلِ اعتبار اہم اقلیت کی ہی اصلاح ہو جائے تو کل کرسیِ صدارت ہو یا کرسیِ وزارت، منصبِ سفارت ہو یا وسائلِ نشر و اشاعت ہوں، یہ سب کے سب تعلیمِ اسلام و تعلیمِ دین کے مراکز بن سکیں گے۔ اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پاسبان خود چور بن گئے ہیں، جو رہبر تھے وہ رہزن بن گئے ہیں، تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں۔ ”عیاں را چہ بیان؟!“ جو صورت حال ہے وہ سامنے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس وقت دین کی اہم ترین پکار یہی ہے کہ خدا کے لیے اُٹھو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور سفینۂ حیات کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی پوری وجد و جہد کرو۔

نیز یہ چیز پیشِ نظر رہے کہ طاغوتی طاقتیں اور تمام تر فتنہ و فساد برسرِ کار ہیں اور نہایت تیزی سے سیلاب آ رہا ہے، کمزور و ناتواں کوشش کافی نہیں۔ فساد معاشرے میں ایٹم بم کی رفتار سے پھیل رہا ہے، ظاہر ہے کہ کیڑے مکوڑوں کی رفتار سے مقابلہ کیا گیا تو کیونکر اصلاح ممکن ہوگی؟ خدارا! یہ آگ جو لگ چکی ہے جلد سے جلد بجھانے کی کوشش کرو، ورنہ تمام قوم و ملک اس کے شعلوں کی نذر ہو جائے گا۔ افسوس و تعجب سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو وہ فوراً بجھانے کی تدبیر میں لگ جاتا ہے، کوتاہی نہیں کرتا، لیکن دینِ اسلام کے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے، صدیوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ نذرِ آتش ہونے کے قریب ہے، لیکن ہم اطمینان سے بیٹھ کر تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

ارکانِ اسلام کی نئی تعبیر

دین سے انحراف

جس طرح نماز، زکوۃ، روزہ اور حج اسلام کے بنیادی احکام وعبادات ہیں اور دینِ اسلام میں ان کے مخصوص معنی اور مصداق متعین ہیں۔قرآن وحدیث کی نصوص اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے ان کی حقیقتیں اور عملی صورتیں واضح و مسلم ہوچکی ہیں اور چودہ سو سال میں اُمتِ محمدیہ اور اس کے علماء و محققین ان کو جس طرح سمجھتے اور عمل کرتے چلے آئے ہیں اس تواتر وتوارثِ عملی نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ہے۔ان عبادات واحکام اور ان نصوص کی تعبیرات کو ان کے متواتر شرعی معانی سے نکال کر کوئی نئی تعبیر اور نیا مصداق قرار دینا یقینا دین سے کھلا ہوا انحراف ہے۔ٹھیک اسی طرح کفر، نفاق، الحاد، ارتداد اور فسق بھی اسلام کے بنیادی احکام ہیں، دینِ اسلام میں ان کے بھی مخصوص و متعین معنی اور مصداق ہیں۔قرآن کریم اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قطعی طور پر ان کی تعیین وتحدید فرمادی ہے۔ان الفاظ کو بھی ان شرعی معانی ومصادیق سے نکالنا کھلا ہوا دین سے انحراف ہوگا اور ان کو ازسرِنو محلِ بحث و نظر بنانا اور اُمت نے چودہ سو سال میں ان کے جو معنی اور مفہوم سمجھے اور جانے ہیں نو بنو تاویلیں کر کے ان سے ہٹانا کھلا ہوا الحاد وزندقہ ہوگا۔

ایمان کا تعلق قلب کے یقین سے ہے اور خاص خاص چیزیں ہیں جن کو باور کرنا اور ماننا ایمان کے لیے ضروری ہے، جو کوئی ان کو نہ مانے قرآن کریم کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں

اس کا نام کفر ہے اور وہ شخص کافر ہے، جس طرح ترکِ نماز، ترکِ زکاۃ، ترکِ روزہ اور ترکِ حج کا نام فسق ہے، بشرطیکہ ان کے فرض ہونے کو مانتا ہو صرف ان پر عمل نہ کرتا ہو۔ اور اگر انہی تعبیرات، صلاۃ، زکاۃ، صوم، حج کو اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص ان کو معروف و متواتر شرعی معنی سے نکال کر غیر شرعی معنی میں استعمال کرے یا ان میں ایسی تاویلیں کرے جو چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی بھی عالم دین نے نہ کی ہوں تو اس کا نام قرآن کی اصطلاح اور اسلام کی زبان میں الحاد ہے۔

قرآن کریم نے ان الفاظ کفر، نفاق، الحاد، ارتداد کو استعمال فرمایا ہے اور جب تک روئے زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا، یہ الفاظ بھی انہی معانی میں باقی رہیں گے۔

اب یہ علماء اُمت کا فریضہ ہے کہ وہ اُمت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں کہاں صحیح ہے؟ اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مومن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے، اسی طرح ان ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ نیز علماء اُمت کا یہ بھی فرض ہے کہ ان حدود وتفصیلات کو یعنی ایمان کے تقاضوں کو اور ان کفریہ عقائد واعمال وافعال کو متعین کریں جن کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، تاکہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے خارج کہا جاسکے اور نہ کسی کافر کو مومن ومسلمان کہا جاسکے۔

ورنہ اگر کفر وایمان کی حدود اس طرح مشخص ومتعین نہ ہوئیں تو دینِ اسلام بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور جنت وجہنم افسانے۔

یادرکھئے! اگر ایمان ایک متعین حقیقت ہے تو کفر بھی ایک متعین حقیقت ہے۔ اگر کفر کے لفظ کو ختم کرنا ہے اور کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا ہے تو پھر ایمان واسلام کا بھی نام نہ لو اور کسی بھی فرد یا قوم کو نہ مومن کہو، نہ مسلمان۔ رات کے بغیر دن کو دن نہیں کہہ سکتے، تاریکی کے بغیر روشنی کو روشنی نہیں کہہ سکتے، پھر کفر کے بغیر اسلام کو اسلام کیونکر کہہ سکتے ہو؟ اور پھر یہ کہنا اور فرق کرنا بھی سرے سے غلط ہوگا کہ یہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور یہ کافروں کی اور یہ تو اسلامی حکومت ہے اور

وہ کفریہ حکومت ہے، پھر تو حکومت سیکولر اسٹیٹ یعنی لادینی حکومت ہوگی، غرض کفر اور کافر کا لفظ ختم کرنے کے بعد تو اسلامی حکومت کا دعویٰ ہی بے معنی ہوگا یا پھر یہ لفظ الیکشن جیتنے کے لیے ایک دل کش نعرہ اور حسین فریب ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ علماء پر کچھ بھی ہو رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد ہے اور رہے گا کہ وہ کافر پر کفر کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانت داری اور علم و تحقیق سے کام لیں اور ملحد و زندیق پر الحاد و زندقہ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن و حدیث کی نصوص وتصریحات کی رو سے اسلام سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ لگائیں جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور قیامت نہ آ جائے۔

چونکہ کفر و اسلام کے حکم لگانے کا معاملہ بے حد اہم اور انتہائی نازک ہے اور ایک شخص جذبات کی رو میں بھی بہہ سکتا ہے اور فکر و رائے میں غلطی بھی کر سکتا ہے، اس لیے علماء اُمت کی ایک معتمد علیہ جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ یقیناً حقیقت پر مبنی اور شک وشبہ سے بالاتر ہو جائے گا۔

بہر حال کافر، فاسق، ملحد، مرتد وغیرہ شرعی احکام و اوصاف ہیں اور فرد یا جماعت کے عقائد یا اقوال و افعال پر مبنی ہوتے ہیں، نہ کہ ان کی شخصیتوں اور ذاتوں پر، اس کے برعکس گالیاں جن کو دی جاتی ہیں ان کی ذاتوں اور شخصیتوں کو دی جاتی ہیں، لہٰذا اگر یہ الفاظ صحیح محل میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ شرعی احکام ہیں، ان کو ''سب وشتم'' اور ان احکام کے لگانے کو ''دشنام طرازی'' کہنا یا جہالت ہے یا بے دینی، ہاں! کوئی شخص غیظ وغضب کی حالت میں یا ازراہِ تعصب وعناد کسی مسلمان کو ''کافر'' کہہ دے تو یہ بے شک ''گالی'' ہے اور یہ گالی دینے والا خود ''فاسق'' ہوگا اور تعزیر کا مستحق اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی واقعی مسلمان کو ''کافر'' کہہ دے تو یہ کہنے والا خود ''کافر'' ہو جائے گا۔

علماء حق جب کسی فرد یا جماعت کی تکفیر کرتے ہیں تو درحقیقت ایک کافر کو کافر'' بتلانے والے'' اور مسلمانوں کو اس کے کفر سے ''آگاہ کرنے والے'' ہوتے ہیں، نہ کہ اس کو کافر'' بنانے

والے''، کافر تو وہ خود بنتا ہے جب کفریہ عقائد یا اقوال وافعال کا اس نے ارتکاب کیا اور ایمان کے ضروری تقاضوں کو پورا نہیں کیا، تو وہ باختیارِ خود کافر بن گیا، لہٰذا یہ کہنا کہ ''مولویوں کو کافر بنانے کے سوا اور کیا آتا ہے؟'' سراسر جہالت ہے یا بے دینی۔

اگر علماء ایمانی حقائق اور اسلام کی حدود کی حفاظت نہ کرتے تو اسلام کا نام ہی صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا، جس طرح کسی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی مملکت کی حدود کی حفاظت کرے اور ان کے تحفظ کے لیے فوجی طاقت اور دفاعی سامانِ جنگ وغیرہ کی تیاری میں ایک لمحہ کے لیے غافل نہ ہو۔ اسی طرح ایمان، اسلام، اسلامی معاشرہ، مسلمانوں کے ''دین و ایمان'' کو ملحدوں، افترا پردازوں اور جاہلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا علماء حق اور فقہاء اُمت کے ذمہ فرض ہے۔ ابھی چند دنوں کا قصہ ہے جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا اور حکومتِ پاکستان نے ''جہاد'' کا اعلان کیا اور پاکستان کی افواجِ قاہرہ اور عوام نے اس جہاد میں جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا تو بھارت کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ: ''پاکستان'' ''اسلامی حکومت'' نہیں ہے اور یہ لڑائی اسلامی جہاد نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر ہندوستان بھی اسی طرح دارالاسلام ہے جس طرح پاکستان، ''اسلامی قانون'' نہ وہاں نافذ ہے نہ یہاں، مسلمان وہاں بھی رہتے ہیں، یہاں بھی۔'' بھارت کو یہ کہنے کا موقع کیوں ملا؟ صرف اس لیے کہ نہ پاکستان میں ''اسلامی قانون'' نافذ ہے اور نہ ''اسلامی معاشرہ'' موجود ہے۔ یہ ہماری وہ کمزوریاں ہیں جن سے دشمن نے ایسے نازک موقع پر فائدہ اٹھایا، اگر اس ملک کے اندر نبوت کا مدعی اور ''ختمِ نبوت'' کا منکر مرزا غلام احمد قادیانی کی اُمت (مرزائی فرقہ) بھی مسلمان ہے اور پورے اسلام کے چودہ سو سالہ اسلامی عبادات ومعاملات کے نقشہ کو مٹا ڈالنے والا اور جنت ودوزخ سے صریح انکار کرنے والا غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت بھی مسلمان ہے اور اگر قرآن کے منصوص احکام کو عصری تقاضوں کے سانچوں میں ڈھالنے والا، سنتِ رسول کو ایک تعاملی اصطلاح اور رواجی قانون بتلانے والا، سود کی حرمت سے قرآن کو خاموش بتا کر حلال کرنے والا ابھی نہ صرف مسلمان ہے، بلکہ اسلامی تحقیقاتی ادارہ کا سربراہ ہے تو پھر یاد رہے کہ محض قرآن کریم کو ''زردوزی'' کے سنہرے حروف میں لکھوا

نے سے قرآن کی حفاظت قیامت تک نہیں ہو سکتی اور یہ دعویٰ انتہائی مضحکہ خیز ہے یا پھر عوام کو بے وقوف بنانے کا ہتھکنڈہ ہے۔

ابھی کل تک یہی ''ملحدین'' مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ: ''قرآن مجید اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ ریشمی رومالوں میں لپیٹ کر اس کو بوسے دیئے جائیں، پیشانی سے لگایا جائے اور سروں پر رکھا جائے، یہ تو مسلمانوں کے لیے ایک عملی قانون ہے، عمل کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔'' پھر آج اس حقیقت سے یہ بے اعتنائی کیوں ہے کہ ''باہمی رضامندی سے زنا'' کو جرم نہیں قرار دیا جاتا۔ ''بینکاری سود'' کو شیرِ مادر کی طرح حلال قرار دے کر خود حکومت سود لے رہی اور دے رہی ہے۔ ''ریس کورس'' جیسی مہذب قمار بازی کے، شراب کی درآمد و برآمد اور خرید وفروخت کے لائسنس دیئے جارہے ہیں۔ نکاح وطلاق ووراثت کا قانون سب صریح قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف جاری ہے۔ جرائم اور سزاؤں کا تو کہنا ہی کیا؟! غرض قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر قانون سازی کا سلسلہ جاری ہے اور ''زردوزی'' کے سنہرے حرفوں میں لکھوا کر قرآن عظیم کی حفاظت کا اہتمام بھی کیا جارہا ہے۔ نہایت صبر آزما حقائق ہیں، آخر مسلمانوں کو کیا ہوگیا کہ اتنے واضح حقائق کی فہم کی توفیق بھی سلب ہوگئی؟ اللّٰهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون.

علمی اور عملی فتنوں کا علاج

بہرحال میرا ناقص خیال ہے کہ جتنے عملی فتنے رونما ہو رہے ہیں، ان کی اصلاح کے لیے یہ طریقۂ دعوت اور اس میں شمولیت بلاشبہ مؤثر نسخہ اور علاج ہے، لیکن علمی فتنوں کے لیے ٹھوس علم کی ضرورت ہے۔ آج کل اعداء اسلام، مستشرقین وغیرہ اسلام کے بنیادی مسائل کو ڈائنامیٹ لگا رہے ہیں۔ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں شبہات، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وساوس، فقہ اسلامی پر تنقیدات واعتراضات، ان علمی فتنوں کی سرکوبی کے لیے ٹھوس علمِ دین، جدید علمِ کلام، جدید سائنس، معلوماتِ عامہ، حسنِ تحریر، شگفتہ بیانی، سنجیدہ متوازن دماغ، پیہم کوشش اور صالح ومؤثر لٹریچر کی ضرورت باقی رہے گی۔

علم سے ناواقف تبلیغی حضرات کا غلو

جو علم سے ناواقف تبلیغی حضرات یہ تصور قائم کر لیتے ہیں کہ اب نہ مدارس کی ضرورت ہے، نہ خانقاہوں کی، یہ غلو ہے، جہل ہے، علم دین تو تمام دینی کاموں کے لیے بنیاد ہے، اُمت علومِ دینیہ سے کسی وقت بھی بے نیاز نہیں ہوسکتی، جب مسلمانوں میں علمی فتنوں کا دور زیادہ نہ تھا، اس وقت بھی علومِ اسلامیہ میں مہارت کی اہمیت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ سابقہ ادوار میں اربابِ اقتدار کو علمی فتنوں کے عام کرنے کا موقع بہت کم ملا، شخصی طور سے فتنے برپا کیے جاتے تھے۔ صرف امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں مامون عباسی کو اقتدار کے ذریعہ ''خلقِ قرآن'' کا فتنہ مسلط کرنے کا موقع ملا اور اس کے بعد امین و معتصم، لیکن آج تو برطانوی و امریکی اور روسی اقتدار کے سایہ میں فتنوں پر فتنے پرورش پا رہے ہیں، اتنی بڑی بڑی طاقتور حکومتیں خود مختلف راستوں سے علمی فتنے پھیلانے میں مصروف ہیں۔ اگر علماءِ اُمت نہ ہوتے اور ان کے دانت کھٹے نہ کرتے تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور خاکم بدہن اسلام صفحۂ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا۔ یہ تو ان بوریہ نشین علماء کے کارنامے ہیں کہ آج بھی اسلام باقی ہے اور جو کچھ حصہ باقی نظر آ رہا ہے وہ سوکھی روٹی کھانے والوں کا رہینِ منت ہے۔ بہرحال عصرِ حاضر کے علمی فتنوں کے پیشِ نظر علمی خدمات اور علمی مدارس کی اہمیت پہلے سے ہزار گنا زیادہ ہے، نیز آج کے پُر آشوب دور میں جب عقیدۂ اسلامی بہت کمزور ہوگیا ہے، اس کی حفاظت کے لیے علم دین کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ لینن و کارل، مارکس و ماؤزے تنگ کے اقتصادی فلسفوں کی سرکوبی کے لیے حاذق علماء کی ضرورت ہے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ اربابِ علم پوری طرح جدید علمی ہتھیاروں سے مسلح ہوں، تاکہ صحیح مقابلہ ہوسکے۔ عصری تقاضوں کے پیشِ نظر جدید علمی تربیت سے آراستہ ہونا اور جدید معلومات فراہم کرنا اور نئی دنیا سے باخبر ہونا بے حد ضروری ہے، بس شکوہ اگر ہے تو اس کا ہے کہ صحیح پختہ کار علماء کا وجود کبریتِ احمر ہے۔

بہرحال خدمتِ دین اور اسلام کو ان علمی فتنوں سے بچانے کے لیے محقق اور بابصیرت

اربابِ علم کی بے انتہا ضرورت ہے اور ان علمی خدمات کو مؤثر بنانے کے لیے انتہائی اخلاص کی شدید حاجت ہے۔ نرے علم پر مطلوبہ ثمرات مرتب نہیں ہوسکتے جب تک علم کے ساتھ اخلاص نہ ہو، قبولیت عنداللہ کے لیے اخلاص کا ہونا تو بالکل واضح ہے، لیکن علمی خدمات پر صحیح اثرات مرتب ہونے کے لیے بھی اخلاص کے بغیر چارہ کار نہیں، گویا قبول عندالناس بھی ثمرہ ہے قبول عنداللہ کا، کہنا یہ ہے کہ تبلیغی خدمات اور موجودہ طرز پر دین کا جو کام ہورہا ہے بلاشبہ دین ہے اور اہم جزوِ دین، لیکن یہ سمجھنا کہ بس یہی دین ہے اور اس کے بعد علم دین کی ضرورت نہیں، یہ بالکل غلط بلکہ گمراہی ہے۔

آج کل ایک سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ جو اربابِ علم ہیں، وہ صرف علم اور تعلیم پر قناعت کرکے بیٹھ گئے ہیں اور جو اربابِ عمل اور اربابِ دعوت ہیں وہ اپنے آپ کو علم اور علماء سے مستغنی سمجھتے ہیں۔ علماء کو میدانِ عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور اربابِ عمل کو علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ قدم قدم پر اخلاص کی ضرورت ہے۔

جب علم وعمل واخلاص تینوں باتیں جمع ہوجائیں گی تو اس کے بہترین نتائج وبرکات ظاہر ہوں گے۔ مزید برآں سراپا اخلاص بن کر بھی حق تعالیٰ کی توفیق وفضل کی ضرورت ہے، افسوس کہ مادیت کے اس دردناک دور میں تمام دینی اقدار ختم ہوگئے اور وہ سارے دینی کلمات صرف بے معنی الفاظ رہ گئے، مسلمانوں کے معاشرے میں اتنا شدید انقلاب آگیا کہ تمام دینی اصطلاحیں مسلمانوں کی زندگی میں بے حقیقت الفاظ رہ گئے۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اور دورِ اوّل کے مسلمان زندہ ہوکر ہمارے دورِ حاضر کے نام لیوا مسلمانوں کی زندگیاں دیکھ لیں تو کیا فرمائیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صحیح اسلام پر قائم رکھے اور صحیح مسلمانوں کے خدوخال کی حفاظت فرمائے اور تقویٰ طہارت کی حیاتِ طیبہ نصیب فرماکر فوزوفلاح کے مدارجِ عالیہ سے نوازے، آمین بحرمة النبي الأمين عليه صلوات الله وسلامه إلى يوم الدين.

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب

علم، دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا، وہ بہر حال انسانیت کے لیے تمغۂ فضلیت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل وکمال سے آراستہ ہونا اور میراثِ انسانیت کا حاصل کرنا ہے، موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں: ۱:۔دینی علوم اور ۲:۔دنیاوی علوم۔

دینی علوم کے اصل ثمرات وبرکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہوں گے، تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت ورفعت کا دور دورہ رہا، دنیا میں بھی اس کی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ علماء دین، قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکمِ عدلیہ اور محاکمِ احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے، ملک وملت کے لیے ان کا وجود سایۂ رحمت سے کم نہیں تھا، ان کی خداترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن دعافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کے لیے علماء دین ہی کا انتخاب وتقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے اس کے کچھ نمونے موجود ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہِ راست دنیا کے نظام سے تھا، مثلاً: فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، ہیئت، حساب، طب وجراحت وغیرہ ان کے لیے تو حکومتی مناصب بے شمار تھے۔

اور علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے، مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور اُنھیں خدمتِ خلق، اصلاحِ معاش اور تدبیرِ سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی

بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں اور اس کے لیے احادیثِ نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً:

ایک حدیث میں ہے:

”من تعلم علمًا مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة، يعني ريحها.“ (مشکاۃ شریف)(۱)

”جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاعِ دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”من طلب العلم ليجاري به العلماء أو ليماري به السفهاء أو يصرف وجوه الناس إليه أدخله الله النار.“ (مشکوٰۃ شریف)(۲)

”جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔“

بہرحال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلبِ آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے۔ گویا اصل مدار مقاصد و نیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار اور صنعت و حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن

۱:.... مشکوۃ، کتاب العلم، الفصل الثانی ص: ۳۴، ط: قدیمی

۲:.... مشکوۃ، کتاب العلم، الفصل الثانی ص: ۳۴، ط: قدیمی

جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی، ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہیے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص جس شعبۂ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدرِ ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو، مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو خلافتِ راشدہ کا تابناک دور ہے، ایک قانون یہ تھا:

"لا يبع في سو قنا هذا من لم يتفقه في الدين." (۱)

"جو شخص فقیہ (دینی مسائل کا ماہر) نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں۔"

گویا دنیا کمانے کے لیے بھی علم دین کی ضرورت ہے، تا کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز ہو سکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر وکمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آ گیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا، بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں، اب تو واحد مقصد صرف پیٹ رہ گیا ہے، دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل وکمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ جہنم بھر جائے۔

جدید تعلیم اور اس کا مقصد

قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہو گئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو عالم کہا جاتا ہے اور جدید

۱:..... سنن الترمذی، ابواب صلوۃ الجمعۃ، باب ماجاء فی فضل صلوۃ الجمعۃ، ج:۱، ص:۱۱۰، ط: قدیمی

علوم کے ماہرین کو تعلیم یافتہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھا گیا تھا کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس اجنبی ملک میں حکومت کی انتظامی ضرورت پوری کرنے کے لیے ان کو ایک ایسی نسل کی ضرورت تھی جس سے ان کی حکومت کا کاروبار چل سکے، وہ انگلستان سے اتنے انگریز یہاں نہیں لا سکتے تھے کہ اتنے بڑے برِّ کوچک کا تمام کام سنبھال سکیں، انہیں دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی حکمرانی کرنی تھی۔ کلیدی مناصب تو ضرور وہ اپنوں ہی کو دیا کرتے تھے یا پھر ان کو جو سو فیصد ان کے حاشیہ بردار بن جائیں، مگر نیچے درجہ کے لیے انہیں یہیں سے آدمی مہیا کرنے تھے۔ علاوہ ازیں اس جدید تعلیم سے انگریز کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزی تہذیب وتمدن کے اتنے دلدادہ ہو جائیں کہ ظاہر و باطن میں انگریز ہی انگریز نظر آئیں اور لارڈ میکالے کی پیش گوئی پوری ہو جائے۔

الغرض یہ ذہنیت انگریزی دور کی پیداوار ہے کہ تعلیم حاصل کرنا صرف ملازمت کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلیم کی رفتار میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور سرکاری مناصب اور ملازمتیں محدود ہیں، تعلیمی تناسب سے ان میں اضافے کا امکان نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ افراد کو سرکاری ملازمتوں میں کھپایا جا سکے اور یہ تو طلبہ کا مسئلہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طالبات بھی اب تعلیم کے میدان میں اسی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں اور وہ بھی ملازمت کی خواہاں ہیں۔ جب نئی نسل کو مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو ان میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ اس عبرت ناک منظر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو گزشتہ دنوں کراچی یونیورسٹی میں تقسیم اسناد کے موقع پر دیکھنے میں آیا کہ گورنر تک کے لیے آبرو بچانا مشکل ہو گیا، یہ ہیں جدید تعلیم کی برکات اور یہ ہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات (إن فی ذلك لعبرة لأولی الأبصار)! یہ صورتِ حال تمام اہلِ دانش اور اربابِ اقتدار کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر جدید نسل کے اس ذہنی کرب کا صحیح حل تلاش نہ کیا گیا تو اس کے نتائج اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب

ہمارے نزدیک کرب و بے چینی کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے اہم تو یہ ہے کہ جدید تعلیمی اداروں میں دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذہن وفکر کی ضرورت کو کبھی محسوس نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے برعکس نئی نسل کو دین سے بیزار کرنے کے تمام اسباب و وسائل مہیا کیے گئے۔ دین کو ''ملائیت'' کا نام دے کر نو خیز ذہنوں کو اس سے نفرت دلائی گئی۔ علمائے دین کے لیے طرح طرح کے القاب تجویز کر کے انہیں ''تعلیم یافتہ'' طبقہ کی نظر میں گرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ ذرائع نشر و اشاعت کو تمام حدود و قیود سے آزاد کر کے انہیں بد دینی کا مبلغ بنا دیا گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ لادینی نظریات کا پرچار کرنے کے لیے مستقل ادارے قائم ہوئے اور سرکاری طور پر ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی۔ اب خود سوچیے کہ جس نوخیز نسل کے سامنے گھر کا پورا ماحول بے دین ہو، تعلیم گاہوں میں دینی ماحول کا فقدان ہو، گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں سے بے دینی کا غلیظ اور مسموم دھواں اٹھ رہا ہو، زندگی کے ایک ایک شعبہ سے دین کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا گیا ہو، والدین سے اساتذہ تک اور صدر سے چپڑاسی تک نئی نسل کے سامنے دین داری، خدا ترسی اور خوفِ آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش و منکرات، بے حیائی و بداخلاقی اور درندگی و شیطنت کا سامان موجود ہو، کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دین داری، شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کر سکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو، کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرہ کے عمومی بگاڑ کی پیداوار ہو، کیا وہ کسی درجہ میں بھی معاشرہ کی اصلاح کے لیے مفید اور کارآمد ہو سکتا ہے؟

تم لاکھ تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو، لیکن خوب یاد رکھو! تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا، نئی نسل کے سامنے والدین، اساتذہ اور اہم شخصیتوں کی شکل میں اخلاق و انسانیت اور دین داری و خدا خوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے، تعلیم میں جب تک دینی تربیت مطمح نظر نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق و اعمال، جذبات و عواطف اور

رجحانات ومیلانات کی اصلاح نہیں ہوگی، تب تک یہ مصیبت روز افزوں ہوتی جائے گی۔ تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے، اخلاق تباہ ہوجائیں، انسانی قدریں پامال ہوجائیں اور مقصدِ زندگی صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین ''پیٹ'' کے گرد گھومنے لگی ہے، آج کی تمام تعلیم، تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں؟! دین جاتا ہے تو جائے، اخلاق مٹتے ہیں تو مٹیں، انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو، مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہر حال پوری ہونی چاہئیں، نہ دین سے تعلق، نہ اخلاق سے واسطہ، نہ انسانیت کا شعور، نہ افکار صحیح، نہ خیالات درست، نہ خدا کا خوف، نہ آخرت کی فکر، نہ مخلوق سے حیا، إنا لله وإنا إليه راجعون.

جدید تعلیم اور اس کے چند مہلک ثمرات

اسی جدید تعلیم اور اس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اور صوبہ پرستی کی لعنت کو جنم دیا، جس کی وجہ سے مشرقی بازو کٹ گیا اور اب کراچی اور سندھ میں بھی شب و روز اس کے دردناک مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، نہ معلوم اس بدنصیب قوم کا انجام کیا ہوگا؟! انسانی اقدار اور احترامِ انسانیت کا شعور پیدا کرنے کے لیے دین و مذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم بارہا ان صفحات میں صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ آخرت کی نجات اور دنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات واحکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا خسارہ ہی خسارہ ہے، تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت وکردار کی بلندی اور ظاہر وباطن کی طہارت ونظافت ہونا چاہیے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گر ہو اور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کو ختم کررہے ہو اور دین کا مضحکہ اُڑا کر اُسے رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہو تو اس کے بدترین نتائج کے لیے بھی تیار رہو:

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم

فتنۂ آزادیٔ نسواں و بے پردگی

نئی نسل کے کرب و اضطراب کا ایک بڑا سبب صنفِ نازک کے بارے میں غلط روی پر مسلسل اصرار ہے۔ اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا جو مقام بخشا ہے وہ نہ کسی قدیم تہذیب میں اسے حاصل ہوا تھا، نہ جدید ترقی یافتہ تہذیب کو اس کی ہوا لگی ہے۔ اسلام نے اس کے تمام حقوق دلوائے، اسے ماں، بہن اور بیٹی کے نہایت قابلِ احترام القاب سے سرفراز کیا، مرد و عورت کے درمیان نہایت مقدس ازدواجی رشتہ قائم کر کے دونوں کی زندگی کو سراپا امن و سکون بنانے کی ضمانت دی۔ عورت کے تمام حقوق و نفقات کا بوجھ مرد کے ذمہ ڈالا، اس کو گھر کی ملکہ بنا کر گھر کا سارا نظم و نسق اس کے سپرد کیا۔ اولاد کے بہترین اتالیق کی حیثیت سے اسے پیش کیا۔ مرد و زن کے الگ الگ دائرہ کار کی حد بندی کی۔ دونوں کے لیے ایسے عادلانہ احکام وضع فرمائے کہ یہ رشتہ نفسیاتی طور پر محبت و خلوص کا مجسمہ بن جائے۔ گھر کے انتظامی معاملات عورت کے سپرد کر کے مرد کو گھر کی فکر سے یکسو کر دیا اور باہر کی تمام ضروریات کا بار مرد پر ڈال کر عورت کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا، تاکہ دونوں جانب سے احسان مندی اور قدر شناسی کے جذبات پروان چڑھیں۔

ایک پُرفریب نعرہ ”آزادیِ نسواں“

مگر جدید تہذیب نے ان تمام مصالح و اسرار کو غارت کر کے ”آزادیِ نسواں“ کا ایک پرفریب نعرہ ایجاد کیا اور صنفِ نازک کو گھر کی سلطنت سے باہر نکال کر گلی کوچوں میں رسوا کیا اور

زندگی کی پرخار وادیوں میں اسے مردوں کے دوش بدوش چلنے پر مجبور کیا۔ جو فرائض مردوں کے ذمہ تھے ان کا بوجھ بھی عورتوں پر ڈالا۔ اس کے بعد تعلیمِ نسواں کے فسونِ ساحری نے عورت کو جدید تعلیم اور جدید تہذیب کے قالب میں ڈھالا اور اب عورتوں کے لیے اعلیٰ تعلیم ایک فیشن بن گیا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ ملازمتوں میں انہیں بھی برابر کا حصہ دیا جائے۔ پہلے مردوں کے لیے ملازمت کی جگہ کا سوال تھا، اب عورتوں کے لیے ملازمت کا اس پر مزید اضافہ ہو گیا۔

ہمیں خوب معلوم ہے کہ جدید طبقہ کس ذہن سے سوچنے کا عادی ہو چکا ہے، اس لیے ہمیں توقع نہیں کہ اس گردابِ بلا میں پھنس جانے کے باوجود وہ کسی ناصح مشفق کی بات سننا گوارا کرے گا۔ تاہم ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ جدید تہذیب نے عورت سے بدترین مذاق کر کے شرفِ انسانیت کو بٹہ لگا دیا ہے۔

پردہ عورت کا فطری حق ہے

پردہ عورت کا فطری حق ہے، عورت گھر میں ہو یا بازار میں، کالج میں ہو یا یونیورسٹی میں، یا دفتر اور عدالت میں ہو وہ اپنی فطرت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے۔ وہ جہاں ہوگی اس کی ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز اُسے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی۔ وہ بے دین قومیں جو عورت کی فطرت سے اندھی اور خالقِ فطرت کے احکام سے ناآشنا ہیں، وہ اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو جائے تعجب نہیں، مگر ایک مسلمان جس کے سامنے خدا و رسول کے احکام اور اس کے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو اس کا اپنی بہو بیٹیوں کو پردے سے باہر لے آنا مردہ ضمیری کا قبیح ترین مظاہرہ ہے۔ عورت کی ساخت و پرداخت، اس کی عادات و اطوار اور اس کی گفتار و رفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے، اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔

جدید تہذیب اور عورت

ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت وتقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت ونزاہت سے چاند شرماتا تھا، اسے پردہ سے باہر لا کر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام لیا گیا۔ جدید تہذیب میں عورت زینتِ خانہ نہیں شمع محفل ہے۔ اس کی محبت وخلوص کی ہر ادا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لیے وقف نہیں، بلکہ اس کی رعنائی وزیبائی وقفِ تماشائے عالم ہے۔ وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً اینچے جھک جائیں، بلکہ وہ بازاروں کی رونق ہے۔ آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی، اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہوسکتی ہے؟ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا؟ کیا یہی آزادیِ نسواں ہے جس کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جاتے تھے؟

عورت پر ظلم یا احسان!

اسلام کی نظر میں عورت ایک ایسا پھول ہے جو غیر محرم نظر کی گرم ہوا سے فوراً امرجھا جاتا ہے، اسے پردہ سے باہر لانا اس کی فطرت کی توہین ہے۔

ادھر عورتیں پردے سے باہر آئیں، ادھر انہیں زندگی کی گاڑی میں جوت دیا گیا، تجارت کریں تو عورتیں، وکالت کریں تو عورتیں، صحافت کے شعبہ میں جائیں تو عورتیں، عدالت کی کرسی پر متمکن ہوں تو عورتیں، اسمبلی میں جائیں تو عورتیں، الغرض کاروباری زندگی کا وہ کون سا بوجھ تھا جو مظلوم عورت کے نازک کاندھوں پر نہیں ڈال دیا گیا؟! سوال یہ ہے کہ جب یہ تمام فرائض عورتوں کے ذمہ آئے تو مرد کس مرض کی دوا ہیں؟ اسلام نے نان ونفقہ کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی، لیکن بزدل مغرب نے مردوں کے دوش بدوش چلنے کا جھانسہ دے کر یہ سارا بوجھ اُٹھا کر عورت کے سر پر رکھ دیا، جدید تہذیب کے نقیبوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ عورت پر احسان ہوا یا بدترین ظلم؟ عورت گھر کے فرائض بھی انجام دے، بال بچوں کی پرورش کا ذمہ بھی

لے، مرد کی خدمت بھی بجالائے اور اسی کے ساتھ کسبِ معاش کی چکی میں بھی پسا کرے؟ ظاہر ہے کہ عورت کے فطری قُویٰ اتنے بوجھ کے متحمل نہیں ہوسکتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کا کاروبار نوکروں کے سپرد کرنا پڑا، بچوں کی تربیت و پرداخت ماماؤں کے حوالے کی گئی، روٹی ہوٹل سے منگوائی گئی، گھر کا سارا نظام توابتر ہوا ہی، باہر کے فرائض پھر بھی عورت یکسوئی سے ادا نہ کر پائی، نہ وہ کر سکتی ہے۔

پھر مردوزن کے اختلاط اور آلودہ نظروں کی آوارگی نے معاشرہ میں جو طوفان برپا کیا، اس کے بیان سے زبانِ قلم کو حیا آتی ہے۔ یہ ہے آزادیِ نسواں اور تعلیمِ نسواں کا پرفریب افسوں جس نے انسانیت کو تہ و بالا اور معاشرے کو کرب و اضطراب میں مبتلا کردیا۔

عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا اہم سبب

اس کرب و ہیجان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ عام طور سے صنعت وحرفت اور دست کاری سے عار نوجوانوں کے مزاج میں داخل ہوگیا، گویا جب تک کوئی اچھی ملازمت یا کوئی بڑے پیمانے کا کاروبار نہ میسر ہو اس وقت تک کسی کام کا شروع کرنا ''بابوانہ'' شان کے خلاف سمجھا گیا اور یہ بے جا تکبر بیروزگاری، زبوں حالی اور ذہنی انتشار پر منتج ہوا، کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حلال پیشے کو حقیر سمجھنا نہایت پست ذہنی کی علامت ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی جائز اور حلال پیشہ تحقیر وتذلیل کا مستحق نہیں، حدیث میں ہے:

''ما أكل أحد طعامًا قط خيرا من أن يأكل من عمل يديه، وأن نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يديه.'' (بخاری)[۱]

''کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا جو اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام (باوجود عظیم سلطنت کے) اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''

۱:..... صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، ج:۱، ص:۲۷۸، ط: قدیمی

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ:

’’حضرت زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے۔‘‘[۱]

الغرض ایک طرف تو حرفت ودستکاری کو حقیر جانا گیا اور دوسری طرف کسی صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نوجوانوں کے لیے روزگار مہیا کرنے کی نئی نئی صورتوں پر توجہ نہیں دی گئی، نتیجۃً بیکاری وبیروزگاری کا سیلاب اُمڈ آیا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کا مسئلہ پورے معاشرے کے لیے وبال بن گیا۔

اگر ہم اس مکروہ اور تکلیف دہ صورت حال سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے:

اوّلاً:...... اوپر سے نیچے تک پورے معاشرے کی اور بالخصوص نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ہوگا، اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں خالص دینی ماحول بنایا جائے، اُمتِ مسلمہ کا رشتہ مسجد سے قائم کیا جائے اور انہیں تبلیغی مراکز میں جوڑا جائے۔

ثانیًا:...... غیر اسلامی نظریات کی تلقین وتبلیغ کا سلسلہ یک لخت بند کرنا ہوگا، جس قوم کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغامِ حیات موجود ہو اور وہ اس کے مسائل کو حل نہ کرسکے تو خدا اس قوم کے کسی مسئلہ کو کبھی حل نہ کرے، ہمارے اربابِ اقتدار واختیار کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو چھوڑ کر لینن وماؤ سے راہنمائی حاصل کرنے کا نتیجہ ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا:

’’ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ.‘‘[۲]

ثالثًا:...... خواتین کی بے پردگی، عریانی اور سرِبازار رسوائی کا انسداد کرنا ہوگا، عورتوں

۱:.... الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل زکریا علیہ السلام، ج:۲،ص:۲۶۸،ط: قدیمی

۲:.... البقرۃ:۶۱

کی بقدرِ ضرورت تعلیم پردہ میں ہو، اور باہر کی تمام ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کیا جائے اور اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی خاتون کا کوئی معاشی کفیل نہیں تو اوّل تو قوم اور قومی خزانہ کا فرض ہے کہ ان کی معاشی کفالت اپنے ذمہ لے اور اگر قوم کی بے حسی اور حکام کی غفلت اس سے مانع ہو تو ان کے لیے باپردہ گھریلو صنعتوں کا انتظام کیا جائے جس سے وہ اپنی معاش حاصل کرسکیں۔

الغرض معاشی بوجھ صرف مردوں کو اُٹھانا چاہیے اور اگر شاذ و نادر یہ ذمہ داری عورتوں پر آئے تو ان کے لیے باپردہ انتظام کیا جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صرف عورتوں کا مسئلہ حل ہوجائے تو آدھا انتشار اسی وقت ختم ہوجائے گا۔

رابعًا:...... اس ذہنیت کو ترک کرنا ہوگا کہ تعلیم صرف ملازمت کے لیے ہے اور یہ کہ فلاں پیشہ حقیر ہے، بلکہ صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ نئی نسل کی افرادی قوت کو مفید کاموں میں لگانا ہوگا، اللہ تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔

تاریخ فتنۂ انکارِ حدیث اور اس کے اسباب

پہلا سبب

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلا فتنہ جس نے سر اُٹھایا وہ خارجیوں کا فتنہ ہے۔ اسی فتنہ سے ٹکرا کر مسلمانوں کے اتحاد کی چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوئی، چنانچہ ان خارجیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بے تعلقی کا صاف اعلان کر دیا اور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، شرکاء جنگ جمل اور تحکیم (ثالثی) کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دے دیا۔ اس تکفیر کے نتیجہ میں ان تمام صحابہؓ کی احادیث جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، ان کو صحیح ماننے سے بھی انکار کر دیا (کہ راویِ حدیث کے لیے مسلمان ہونا اولین شرط ہے اور یہ سب کافر ہیں) اور اس طرح انکارِ حدیث وسنت کی تخم ریزی شروع ہوگئی۔

دوسرا سبب

پھر اس خارجیوں کے فتنہ کے بالمقابل شیعیت کے فتنہ نے سر اٹھایا، حالانکہ شیعیت کا فتنہ ایک سیاسی ہتھکنڈا (اسٹنٹ) تھا (کہ حبّ آلِ رسول کے نام سے ہی اقتدار کی باگ ڈور کسی طرح شیعوں کے ہاتھ آ جائے) پھر انہی شیعوں میں سے سبائی رافضیوں کا گروہ منظرِ عام پر آیا، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ماسوا تینوں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو اور چند طرفدارانِ

علیؓ ۔جن کی تعداد میں خود شیعوں کا بھی اختلاف ہے۔ کے علاوہ باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دے دیا۔ اس فتنہ کا فطری نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان چند رواۃ کے علاوہ جو ان کے حامی اور طرفدار تھے، باقی تمام صحابہؓ کی حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا (کہ یہ سب کافر ہیں)۔

تیسرا سبب

اس کے بعد (سنہ ۲ ہجری کے آخر میں) اعتزال (عقل پرستی) کا دور آیا، چنانچہ اس عقلیّت پرستی کے تسلُّط نے معتزلہ کو ان تمام حدیثوں میں تاویلیں کرنے پر (اور تاویل نہ ہو سکنے کی صورت میں ان کو صحیح ماننے سے انکار کرنے پر) مجبور کر دیا، جن کو انہوں نے اپنے عقلی معتقدات کے خلاف محسوس کیا۔ عباسی خلیفہ مامون کے عہد میں جبکہ یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر منظرِ عام پر آئیں، مذہبِ اعتزال نے مامون کی سرپرستی میں بڑا فروغ حاصل کیا۔

چوتھا سبب

جب خوارج اور معتزلہ دونوں نے اپنے اپنے معتقدات میں غلو کی بنا پر اعمال کو ایمان کا جزء اور رکن قرار دے دیا تو ردِ عمل کے طور پر ان کے مقابلہ میں مرجئہ کا گروہ اور ارجاء کا عقیدہ منظرِ عام پر آیا، مرجئہ نے اس عقیدہ میں اتنا غلو کیا کہ صاف کہہ دیا:

”لا تضر مع الإيمان معصية كما لا تنفع مع الكفر طاعة .“

ترجمہ: ”ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ضرر نہیں پہنچاتی، جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی بھی طاعت نفع نہیں پہنچاتی۔“

اس عقیدہ کے نتیجہ میں مرجئہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں کبیرہ گناہوں اور معصیتوں کے ارتکاب پر عذابِ جہنم کی وعیدیں مذکور ہیں۔

پانچواں سبب

اسی زمانہ میں مشہور گمراہ اور غالی شخص جہم بن الصفوان الراسبی جو بعد میں قتل کر دیا گیا کا متبع فرقہ جہمیہ منظرِ عام پر آیا اور صفاتِ باری تعالیٰ پر مشتمل احادیث کا اور روزانہ وجود میں آنے والی جزئیات اور حوادث وواقعات سے متعلق باری تعالیٰ کے علم قبل از وقوع کی احادیث کا انکار کر دیا۔ خلقِ قرآن (قرآن کریم کے مخلوق ہونے) کا فتنہ اور جبر (بندہ کے مجبورِ محض ہونے) کا عقیدہ بڑے زور وشور سے منظرِ عام پر آیا، نیز انہوں نے کفار کے ''خلود فی النار'' (دائمی طور پر جہنمی ہونے) کا بھی جو اُمت کا اجماعی عقیدہ تھا، صاف انکار کر دیا۔

الغرض یہ خارجی قدری (معتزلی) شیعہ، مرجئہ، اور جہمیہ وہ بڑے بڑے گمراہ فرقے ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں نمودار ہوئے اور انہوں نے اسلامی عقائد کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ انہی فرقوں نے اپنے اپنے اعتقادات کی حمایت کی غرض سے اپنے معتقدات کے مخالف احادیثِ صحیحہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور انہی کی بدولت انکارِ حدیث کا فتنہ ایک مستقل فتنہ کی صورت میں وبا کی طرح پھیل گیا۔

یہ ہے انکارِ سنت وحدیث کی یا ان میں تحریف وتصرف اور خود ساختہ تاویلوں کا دروازہ کھولنے کی تاریخ اور اس کے وجوہ واسباب۔ ان خارجیوں، قدریوں، شیعوں، جہمیوں وغیرہ فرقوں نے ساری ہی حدیثوں کا انکار نہیں کیا، نہ ہی ان کے لیے یہ ممکن تھا (کیونکہ یہ فرقے اپنے اپنے مسلک اور معتقدات کو حدیثوں سے ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے، بلکہ یہ فرقے صرف اپنے خلاف حدیثوں ہی کا انکار کرتے تھے) لیکن انہوں نے ایک ایسے راستے کی داغ بیل ڈال دی، جس پر چل کر ملحدوں اور زندیقوں نے دینی عقائد واحکام سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی غرض سے علی الاعلان تمام ہی حدیثوں کا انکار کرنے اور الحاد وبے دینی کو فروغ دینے کا دروازہ چوپٹ کھول دیا۔

حفاظتِ حدیث کے لیے جد وجہد

لہٰذا اللہ جل شانہ کی حکمت متقاضی ہوئی کہ دین کے تانے بانے کی حفاظت اور سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت وحدیث سے دفاع کے لیے اور مسخ وتحریف، تغیر وتبدل سے پاک کرنے کی غرض سے جن پر دین قائم ہے، ائمہ اہلِ سنت و جماعت وحامیانِ دینِ الٰہی میدان میں آئیں اور اپنا فریضۂ حفاظت وحمایت شریعتِ محمدیہ ادا کریں، چنانچہ قرنِ اول کے ان حامیانِ دینِ متین کے اولین قائد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرض کو ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے آپ کو خارجیوں خصوصاً خارجیوں کے فرقے ''ازارقہ'' سے مقابلے کے لیے وقف کر دیا۔ یہ فرقہ ''ازارقہ'' نافع بن ازرق خارجی کا پیرو تھا، چونکہ ان کا مرکز بصرہ تھا، وہیں ان کی زبردست طاقت وقوت تھی اور اقتدار وتسلط ان کو حاصل تھا، اس لیے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ازارقی خارجیوں سے علمی مقابلہ اور مناظرہ کے لیے کوفہ سے بیس مرتبہ بصرہ کا سفر کیا ہے۔ یہ نافع بن ازرق پہلا خارجی ہے، جس نے اپنے فرقہ کا نام ''مرجئہ'' رکھا تھا، جیسا کہ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے ''مناقب ابی حنیفہؒ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصانیف ''کتاب الام'' اور ''الرسالۃ'' میں ان منکرینِ سنت اور مرجئہ پر رد کرنے اور ان کی بیخ کنی کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ''خلقِ قرآن'' کے مسئلہ میں معتزلہ کی تردید اور بیخ کنی کرنے کا کٹھن فریضہ انجام دیا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ کی لرزہ خیز ایذارسانیوں اور مظالم کی داستان تاریخِ اسلام کا ایک زبردست حادثہ اور المیہ ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب ''مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة'' میں لکھتے ہیں:

''اس مسلک (انکارِ حدیث وسنت) کے لوگ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے، ان کے حلقہ ہائے درس میں آتے تھے، ان ائمہ نے اپنی تصانیف میں ان کی تردیدیں کی ہیں، ان سے مناظرے کیے ہیں۔''

چنانچہ سنت وحدیث کی حمایت ودفاع کی راہ میں امام ابوحنیفہؒ کے شاندار کارنامے اور ان خارجیوں، قدریوں، جہمیوں اور معتزلہ کی سرکوبی کے سلسلہ میں ان کی مسلسل کوشش وکاوش، تاریخ کی ایک نا قابلِ فراموش حقیقت ہے۔

جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ اور محدثین رحمہم اللہ کی مساعی مشکورہ مرجئہ کی بیخ کنی کے سلسلہ میں ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں معتزلہ، جہمیہ اور منکرینِ صفات کی سرکوبی کرنے کے لیے توفیقِ خداوندی کا سہرا نصیب ہوا ہے۔

ان دینی فسادات اور گمراہ کن فتنوں کے رونما ہونے کی وجہ سے ہی کبار محدثین اور قدیم ائمہ اہلِ سنت اور سرِفہرست ائمہ حدیث نے ضروری سمجھا کہ ان منکرینِ حدیث وسنت کے رد میں مستقل تصانیف لکھیں، جیسا کہ مدونینِ حدیث ائمہ مثلاً: امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، وغیرہ نے اپنی اپنی مشہور ومعروف کتابوں میں مستقل ابواب ان علمبردارانِ الحاد وزندقہ، گمراہ وکجراہ منکرینِ حدیث کے معتقدات کی تردید میں قائم کیے گئے ہیں اور ان کے رد میں حدیثیں جمع کی ہیں۔

لہٰذا ان تمام ائمہ حدیث اور حامیانِ سنت ائمہ کی مقدس ومبارک جدوجہد اور کوشش وکاوش کی بدولت حدیث وسنت ان مفسدوں کی دست درازیوں اور دراندازیوں سے بالکل محفوظ ہوگئی، یہاں تک کہ امام ابوجعفر طحاویؒ نے تو اپنی مشہور ومعروف حدیث کی کتابیں ''مشکل الآثار''، اور ''شرح معاني الآثار'' صرف اسی مقصد اور داعیہ کے تحت تصنیف کی ہیں، جیسا کہ ان کتابوں میں انہوں نے خود تصریح کی ہے، اسی لیے یہ دونوں کتابیں حدیث وسنت اور ان کے معانی ومقاصد کی تشریح وتوضیح کے اور منکرین حدیث کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا جواب دینے کے سلسلہ میں یکتا اور بے مثل کتابیں سمجھی گئی ہیں، جیسا کہ امام طحاویؒ نے ''شرح معاني الآثار'' کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔